حصار

سید عبداللہ شاہ

حصار

کبیر احمد گزشتہ پانچ برس سے شہر کی ایک طبّی لیبارٹری میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت کرتا تھا۔اسے اسپیشلسٹ کی سرکردگی میں کام کرنے کی وجہ سے ہر نوع اور مختلف عناصر کی حامل چیزوں کو پرکھنے' جانچنے اوران سے حتمی نتائج اخذ کرنے کا کماحقہ تجربہ حاصل ہوچکا تھا۔لیبارٹری سے متعلقہ ڈاکٹرز اور کنسلٹینٹس کی نگاہوں میں وہ ایک بہترین ایگزامنر تھا۔اسٹاف میں شامل سبھی لوگ اس کی صلاحیتوں کے معترف تھے اوراس کے کسی بھی معاملے میں اخذ کیے گئے نتائج کو بلاتردد تسلیم کرتے تھے۔

دوسال پہلے کبیر احمد کی شادی اپنی چچازاد تسکین سے ہوئی تھی۔یہ ارینج میرج تھی۔خاندانی پس منظر کے لحاظ سے وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ایک اس سے بڑی سلیمہ باجی جبکہ دوسری اس سے تین سال چھوٹی زینت تھی۔اس کی والدہ کا اس وقت انتقال ہوا تھا جب وہ ایف اے میں تھا۔سلیمہ باجی کی شادی ہوچکی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ہمراہ جہلم رخصت ہوگئی تھیں۔پھر تعلیمی مدارج مکمل

کرنے کے بعد کبیر احمد میڈیکل فیلڈ سے وابستہ ہو گیا۔ ادھر اس کے والد ظہیر احمد جو ساٹھ کے پیٹے میں تھے اس کی چھوٹی بہن زینت کے لیے رشتہ دیکھ رہے تھے۔ جلد ہی انہیں اپنی برادری میں ایک مناسب لڑکا نظر آ گیا اور زینت میٹرک کرتے ہی' شادی کے بعد اپنے پیا دیس سدھار گئی۔ زینت کی سسرال ٹنڈو آدم میں تھی۔ اب کبیر احمد محسوس کر رہا تھا کہ اس کے والد بڑھاپے کی ناتوانی کے باعث بیمار رہنے لگے تھے۔ انہیں بلڈ شوگر کی بیماری عرصہ دراز سے لاحق تھی جو اب ضعیف العمری کے سبب کافی بڑھ گئی تھی۔ کبیر احمد میڈیکل ٹیکنیشن کا ڈپلومہ کرنے کے ساتھ ایک نجی لیبارٹری میں عملی تجربہ بھی حاصل کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اسے اپنے والد کی دیکھ بھال میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس صورت حال میں اس کے چچا اور چچی دیکھ بھال کی غرض سے ان کے گھر پہنچ گئے۔ اس کی منگیتر تسکین بھی ان کے ہمراہ تھی۔ باپ کی تیمار داری کے بارے میں اب کبیر احمد کو قدرے اطمینان کا احساس ہوا' لیکن رضائے الٰہی کے سامنے ہر لحاظ و تدبیر اکارت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ظہیر احمد چند روز علالت کے بعد دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور کبیر احمد چچا' چچی اور تسکین کے درمیان آنسو بہاتا رہ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد کبیر احمد کے لیے روشن مستقبل کا حصول ایک کھلا چیلنج تھا۔ معمول کے اخراجات کے لیے مرحوم باپ کی پینشن کا سہارا تھا' دوم وہ جس لیبارٹری میں پریکٹس کر رہا تھا وہاں سے بھی گزارے کے مطابق معقول خرچہ مل جاتا تھا۔ اس لیے وہ پوری توجہ اور محنت سے کام کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا اور ٹھیک دو برس بعد جب کہ وہ ڈپلومہ مکمل کر چکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور قابل قدر تجربہ بھی حاصل کر چکا تھا۔ لیبارٹری کے چیف ایگزیکٹو نے اس کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے اسے مستقل طور پر اسسٹنٹ پروفیسر کی نوکری کے لیے کنفرم کر دیا اور یوں وہ پرکشش تنخواہ کے ساتھ ایگزامنر کی حیثیت سے ایسوسی ایٹ آف لیب کا باقاعدہ رکن بن گیا۔

پھر تقریباً چھ سات برس زندگی کی خوشیوں سے بھرپور یوں گزرے کہ کبیر احمد کو وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اس عرصے میں بعض قابل رشک تبدیلیاں بھی وقوع پزیر ہوئیں۔ وہ پیشہ ورانہ لحاظ سے کنسلٹنٹ پروفیسرز اور ڈاکٹرز کی نگاہوں میں ایک ماہر و مشاق اور ذہین و فطین ایگزامنر تھا۔ اس کی رپورٹس پر آنکھ بند کر کے ڈاکٹرز اپنے ریمارکس دیتے تھے اور کلائنٹ کی جانب سے شاذ و نادر ہی کسی سقم یا غلطی کی شکایت موصول ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے وہ ممبرز آف ایسوسی ایٹ میں ایک معتبر اور نمایاں حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ان گزشتہ برسوں میں کبیر احمد نے اپنے والد ظہیر احمد کی دلی خواہش کو بھی پورا کیا تھا اور ان کی طے کی گئی منگنی پر چچا اور چچی کے سامنے بخوشی سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ تسکین جسے وہ دل سے پسند بھی کرتا تھا' دلہن کے زرق برق لباس میں اس کے ہمراہ اس کے گھر کو آباد کرنے چلی آئی تھی۔ باپ کی موت کے بعد سال بھی پورا نہ ہو پایا تھا کہ اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے سرفراز کر دیا۔ تسکین نے ایک صحت مند گول مٹول بچے کو جنم دیا۔ تسکین نے اپنی پسند سے بیٹے کا نام فرحان رکھا۔ اولاد نرینہ کی پیدائش سے وہ پہلے سے قدرے مغرور نظر آنے لگی تھی اور حیل و حجت سے کبیر احمد سے اپنی ہر بات منوانے کی کوشش کرتی تھی۔ پھر اگلے سال ان

کے یہاں رحمت خداوندی کا نزول ہوا تو دونوں نے باہمی مشورے سے اس کا نام مہرین رکھا۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد سے دونوں میاں بیوی اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اب ان کا خاندان مکمل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب بچوں کی مزید خواہش تک وہ ننھے فرحان اور معصوم مہرین کی بہترین تعلیم و تربیت کی جانب توجہ دیں گے۔ یوں دونوں بچوں کی آمد سے زندگی ایک نئی اور مختلف ڈگر پر سفر کرنے لگی تھی۔

بچوں کی پیدائش کے باوجود کبیر احمد کا تسکین سے جذباتی لگاؤ کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا۔ ادھر تسکین خود بھی اس کی پر خلوص محبت کی دل سے احسان مند تھی۔ وہ اس کی پسند ناپسند کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ اور اسے ناراض ہونے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ اس دوران کبھی جہلم سے سلیمہ باجی اپنے بچوں کے ہمراہ بھائی کے گھر آتی تو تسکین کے اصرار پر اس کی چھوٹی نند زینت بھی اپنے بچوں سمیت ٹنڈو آدم سے کراچی کے لیے روانہ ہو جاتی۔ پھر تسکین دونوں نندوں اور ان کے بچوں کی ناز برداری میں مصروف ہو جاتی۔ محض اس خیال سے کہ کبیر احمد ان کا اکلوتا بھائی تھا اور اس کے مان سمان کی روایتوں کو بھائی ہونے کے ناتے اسے ہی نبھانا تھا۔ محض اسی سے کبیر احمد کی خوشی اور عزت و وقار ہے، یہ تسکین کا مطمع نظر تھا۔

یوں ایک اچھی بیوی کی رفاقت میں کبیر احمد اپنے چھوٹے سے کنبے کے ساتھ پر سکون زندگی گزار رہا تھا، لیکن مہرین ابھی سال بھر کی بھی نہ ہوئی تھی کہ خلافِ معمول تسکین کی بے جا ضد اور خود سری کی وجہ سے اس کا سکون غارت ہو گیا۔ کبیر احمد کا محنت و جدوجہد سے بنایا وہ چھوٹا سا گھر تسکین کے اختلافی رویہ سے کچے گھروندوں کی مانند لرزنے لگا اور لاکھ صبر وضبط کے وہ بیوی کی عاقبت نااندیشی سے ذہنی طور پر اذیت میں مبتلا ہو گیا۔ کوئی دو ہفتے قبل گھر سے ڈیوٹی کے لیے روانہ ہونے سے پہلے وہ تسکین اور ننھے فرحان کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھا۔ مہرین اس وقت کمرے میں سو رہی تھی۔

"سنیے، ایک بات بتانی ہے آپ کو۔" تسکین نے ملائمت بھرے لہجے میں کبیر احمد سے کہا۔

"ہاں کہو، کیا بات ہے؟" کبیر احمد نے اخبار ایک جانب رکھتے ہوئے جواباً استفسار کیا۔ پھر اس نے مگ میں چائے ڈالی۔

"آج ڈیوٹی سے واپسی پر آپ فاسٹ فوڈ میں کچھ لے آئیے گا۔ میں گھر میں نہیں ہوں گی۔ مجھے دوپہر میں اپنی سہیلی کے گھر دعوت پر جانا ہے۔" تسکین نے پُرکار لہجے میں اسے جتاتے ہوئے کہا۔ ڈھائی تین برس کا فرحان قریب موجود معصومیت سے دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بیوی کی بات سے زچ ہو کر کبیر احمد قدرے ناراضی سے بولا۔

''بیو قوفی کی باتیں نہ کرو۔ دعوت کے شوق میں چھوٹے بچوں کو بھی بیمار کرو گی۔''

''آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں! یہ مسئلہ میرا ہے۔ میں بچوں کو سنبھال لوں گی۔'' جواباً تسکین نے مدافعانہ لہجے میں محبت سے کہا۔

''فضول ضد نہ کیا کرو۔ میں نے کہا ہے نا کہ ابھی بچے چھوٹے ہیں اس لیے سہلیوں کی پارٹیوں کے بارے میں سوچنے کے بجائے ان پر توجہ دو۔ میرے جانے کے بعد تم بچوں کا خیال نہیں رکھو گی تو کون رکھے گا؟'' کبیر احمد نے قدرے تیز لہجے میں تسکین کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ اس کے تیور دیکھ کر تسکین تلملاتے ہوئے جھنجھلاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

''کبیر' آپ یوں دل مت جلایا کریں۔ آپ نے گورنس تو نہیں رکھ چھوڑی ہے بچوں کے لیے' صبح سے رات گئے تک میں ہی بچوں کی دیکھ بھال میں وخوار ہوتی ہوں۔ اس کے باوجود آپ کے طعنے تشنے ختم نہیں ہوتے۔'' یہ کہتے ہوئے تسکین نے غصیلے انداز میں تام چینی کی خوب صورت اور قیمتی کیتلی کو میز پر یوں دھڑ سے رکھا کہ باقی دوسرے چمکتے دمکتے برتن بھی لرز گئے۔ اس برہمی سے تین برس کا فرحان جو تسکین کے قدرے پہلو میں کرسی پر بیٹھا تھا بے اختیار رونے لگا۔ کبیر احمد کے انکار سے تسکین پہلے ہی تپ رہی تھی۔ ننھے فرحان کو روتا دیکھ کر وہ متوحش لہجے میں چیخ کر بچے سے بولی۔

''تمھیں کیا بیٹھے بیٹھے ہو گیا' کیوں چلا رہے ہو نالائق۔'' قدرے بپھرتی اور اونچی آواز میں چلاتی تسکین یکسر شوہر کی موجودگی سے بے پرواہو گئی تھی۔ لیکن کبیر احمد جو بہ ظاہر پرسکون انداز میں ناشتا کر رہا تھا' بیوی کو نامرادی سے دل کے پھپھولے پھوڑتے دیکھ رہا تھا۔ پھر تسکین ننھے فرحان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ناشتہ کروانے لگی۔ اس کا جذباتی اور غیر سنجیدہ رد عمل دیکھ کر کبیر احمد کو خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ پھر وہ زیادہ دیر تک ضبط نہ کر سکا اور ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بریف کیس اٹھاتے ہوئے خاصی ناراضی سے تسکین سے کہا۔ ''تم انتہائی بے وقوف عورت ہو تسکین' معصوم بچے پر اپنی جھنجلاہٹ اتار کر تم مجھ سے اپنی ضد ہر گز نہیں منوا سکتیں۔ یہ بات کان کھول کر اچھی طرح سن لو۔'' اتنا کہہ کر وہ لیبارٹری جانے کی غرض سے باہر نکل گیا تھا۔

اس ناخوشگوار واقعے کو دو ہفتے گزر گئے تھے تاہم کبیر احمد اور تسکین کے درمیان پیدا ہونے والی چپقلش روز بروز بڑھتی چلی گئی اور وہ تسکین کے باغیانہ طرز عمل سے ایک ایسی گنجلک اور پرپیچ صورت حال میں مبتلا ہو گیا تھا' جس سے نکلنا اسے خاصا دشوار نظر آ رہا تھا۔ حسین و جمیل تسکین کے شاکی و نالاں تیوروں کو دیکھ کر وہ شدید بے زاری سے بغلیں جھانکنے لگتا تھا' محض دو ہفتے میں اس کے تند و تیز جملوں اور لن ترانیوں نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی تھیں۔ بیوی کی اصلاح کا کوئی راستہ نہ پاتے دیکھ کر آخر ایک شام وہ یوں دل برداشتہ ہوا کہ اپنی حمایت میں ترکی بہ ترکی جواب دیتی اور بچوں کی آڑ لے کر اس کے جذباتی تلاطم کو بڑھاوا دیتی تسکین پر اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ شادی

کے بعد سے اب تک دونوں میاں بیوی میں کبھی دست درازی کی نوبت نہ آئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کبیر احمد نے شدت جذبات سے بے اختیار ہو کر تسکین کے چہرے پر ایک زور کا تھپڑ رسید کیا تھا۔ اگلے لمحے تسکین اپنے تمتماتے چہرے کو ہتھیلیوں میں رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی تھی اور کبیر احمد پائوں پٹختے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

اگلے روز کبیر احمد لیبارٹری میں اپنی کرسی پر کافی دیر تک تسکین کی بڑھتی ہوئی خودسری اور باغیانہ روش کے بارے میں سوچتا رہا۔ بیوی سے بڑھتے ہوئے اختلافات نے اس کی امن پسند طبیعت میں یوں ہلچل اور بے سکونی مچائی تھی کہ وہ کوئی بھی کام توجہ اور دلچسپی سے نہیں کر پا رہا تھا۔ لیب کے ایئر کنڈیشنڈ گلاس روم میں وہ تین چار گھنٹوں سے منتشر سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ میز پر کچھ ٹیسٹ کی گئیں شیشے کی سلائیڈیں موجود تھیں جنہیں حتمی نتائج مرتب کرنے کی غرض سے ترتیب وار مکمل کر کے رپورٹس تیار کرنا تھیں۔ روم میں اس سے کچھ فاصلے پر سامنے کی جانب لیب کے کنسلٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر متین الرحمن بیٹھے مختلف فائلوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس وقت شیشے کی دیوار پر وال کلاک میں سوئیاں دن کے گیارہ بجا رہی تھیں۔ ادھر کبیر احمد کام کے دوران اپنی توجہ کو مجتمع کرنے کی تگ و دو میں بار بار منتشر خیالوں میں ڈوب جاتا تھا۔ تسکین کے زہر خند جملے اس کی سماعتوں میں یکبارگی گونجتے تو اس کے دل و دماغ میں نفرت کے تند و تیز بگولے اڑنے لگتے۔ پھر وہ جذباتی تلاطم سے بے قرار ہو جاتا تو میز چھوڑ کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں آہستہ آہستہ سانس کے ہلکورے

لینے لگتا۔ ذہنی دبائو سے اس کے بردبار چہرے کی تازگی اور حلاوت پھیکی پڑ جاتی اور پیشانی پر پسینہ چمکنے لگتا، پھر اپنے پروفیسر سے پردہ پوشی کی وجہ سے وہ رومال سے وقفے وقفے سے چہرہ پونچھنے لگتا۔ کبیر احمد گزشتہ شام کے واقعے کے بعد سے مزید بے سکون ہو گیا تھا۔ اور تسکین کے معاملے میں خود کو خاصا بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس دوران کبیر احمد کی قدرے خوشامد کے باوجود بھی تسکین نے دوبارہ اس سے بات چیت نہیں کی

تھی۔ کبیر احمد کے تمانچے سے اس کی انا مجروح ہوئی تھی۔ پھر دونوں جانب کے تناؤ اور کشیدہ ماحول میں رات گزر گئی۔ صبح میں تسکین غصے کی وجہ سے ناشتے کے لیے نہیں اٹھی۔ فرحان اور مہرین بھوک سے رونے اور منہ بسورنے لگے تو کبیر احمد کو بادل نخواستہ اپنے اور بچوں کے لیے ناشتا بنانا پڑا۔ وہ بیڈ میں دبکی، نخرے سے منہ پھلائے تسکین کے لیے شدید بدظنی محسوس کر رہا تھا۔ اسے سمجھ دار بیوی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے رات کے ناخوش گوار واقعے سے درگزر کرنا چاہیے تھا مگر تسکین نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ اس کی خود غرضی سے چھوٹے بچے بھی تکلیف میں آ گئے تھے لیکن اسے قطعی پروانہ تھی۔ کبیر احمد نے بمشکل بچوں کو بہلاتے ہوئے ناشتا کرایا تھا۔ اندرون خانہ وہ تسکین کو سخت برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس بے وقوف عورت کو اپنی زندگی سے بے دخل کرتے ہوئے اس کے گھر بھجوادے۔ بہر غرض وہ تسکین کی ہٹ دھرمی کو صبر وضبط

سے برداشت کرتے ہوئے کچھ دیر تک اس کے سدباب کے بارے میں سوچتا رہا۔اس کے بعد وہ لیبارٹری روانہ ہو گیا۔

"خیریت تو ہے کبیر احمد بہت خاموش دکھائی دے رہے ہو۔" ڈاکٹر متین الرحمن کے مخاطب کرنے پر کبیر احمد بے اختیار اپنے پریشان کن خیالوں سے چونکا۔ڈاکٹر صاحب اپنی کرسی سے اٹھ کر کب اس کے قریب آئے تھے' اسے پتا ہی نہ چلا۔

"لگتا ہے پچھلی رات کوئی رنگین و سنگین خواب دیکھا ہے جس کے سحر میں مبتلا نظر آرہے ہو۔" پروفیسر صاحب نے اپنے اسسٹنٹ پر ازراہِ تعفن دوبارہ چوٹ کی۔جواباً کبیر احمد خجالت آمیزی سے مسکرایا اور خوش گفتاری سے بولا۔

"جی متین صاحب' آپ نے خوب کہا' خوب صورت بیویاں ہم مردوں کے لیے سنگین خواب ہی تو ہوتی ہیں۔جو بھانت بھانت کی فرمائشوں سے ساری عمر دردِ سر بنی رہتی ہیں۔" اس کے جواب پر ڈاکٹر متین الرحمن بے اختیار مسکرا دیئے۔

"یار محض دو بچوں کے باپ ہوا بھی تم اور دردِ سر میں مبتلا ہو گئے ہو۔کیا اقبال نے نہیں کہا ہے کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں...!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سوری ڈاکٹر صاحب' ایسے عشق ناہنجار سے میں تو کان پکڑتا ہوں اور آپ کی جواں مردی اور حوصلے کی داد دیتا ہوں کہ چھ بچوں کے دشت زیست کو آپ نے کامیابی سے طے کیا۔آپ واقعی قابل رشک انسان ہیں متین صاحب۔" کبیر احمد کی بذلہ سنجی پر ڈاکٹر متین پر لطف انداز میں ہنسنے لگے۔پھر چند لمحے توقف سے بولے۔

"یہ اچھا کرتے ہو کہ خوش مزاجی سے دل و ذہن کو ہلکا رکھتے ہو۔پریشان کن سوچوں کا اس سے بہتر علاج کوئی نہیں ہے۔" اپنے پروفیسر کی دم سازی پر کبیر احمد پروقار انداز میں مسکرایا۔پھر ڈاکٹر متین الرحمن میز پر موجود اخذ شدہ سلائیڈوں کو ایک نظر دیکھتے ہوئے مربیانہ لہجے میں بولے۔

"میں کچھ دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں۔کوئی نصف گھنٹے بعد آؤں گا تب تک تم ان کی رپورٹس تیار کر لو گے کبیر۔"

"اوکے پروفیسر صاحب' میں یہ کام جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کروں گا۔" کبیر احمد نے تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔اس کے بعد متین الرحمن گلاس روم سے باہر چلے گئے اور کبیر احمد پوری توجہ اور یکسوئی سے اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔

شام کے چار بجنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا' کبیر احمد کا شفٹ ٹائم پورا ہو رہا تھا۔پروفیسر متین الرحمن بھی آف کر کے جا چکے تھے۔کبیر احمد نے اپنے کام کو وائنڈ اپ کرتے ہوئے ضروری فائلوں اور

کاغذات کو دراز میں رکھنے کے بعد لاک میں چابی گھمائی۔ قریبی سوئچ پر لگا چارجنگ ہوتا موبائل فون بٹن آف کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر گلاس روم سے باہر نکل آیا۔ موبائل فون کے بٹنوں سے کھیلتے ہوئے وہ تسکین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پہلے جب زندگی دونوں کے باہمی سمجھوتوں سے پر سکون گزر رہی تھی۔ دونوں کے درمیان لحاظ و مروت کا احساس توانا تھا۔ محبت وخلوص سے ایک دوسرے کی فکر رہتی تھی تو ڈیوٹی کے دوران تسکین کی مس کالیں اسے تواتر کے ساتھ اپنائیت کا احساس دلاتی رہتی تھیں۔ وہ دو تین مرتبہ اس سے بات چیت کرتا اور اس سے روز مرہ کے کاموں اور بچوں کی شرارتوں پر مبنی رپورٹیں سنتا اور اس کی خوشگوار پوچھ پاچھ کا جواب دیتا تھا۔ بیوی کے دلچسپ خاطر طبع اور پر لطف جملوں سے خود کبیر احمد کی طبیعت بھی ہلکی پھلکی ہو جاتی تھی اور کام کی زیادتی کا بھی پتا نہیں چلتا تھا لیکن گزشتہ چھ ہفتوں سے یہ چاہت واپنائیت کی باتیں غیر مانوس ہو گئی تھیں، تسکین نے اختلافی رویوں سے محبت کے ہر جذبے اور ازدواجی زندگی کے سکون سے متعلق ہر سمجھوتے کو یوں بالائے طاق رکھا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے شاکی و نالاں رہنے لگے تھے۔ کبیر احمد نے مایوس نگاہوں سے موبائل فون کی اسکرین کو دیکھا جہاں تسکین کی کوئی مس کال نہیں تھی۔ پھر وہ یوں لیبارٹری کے خود کار مین ڈور سے باہر نکل گیا۔ جیسے اسے بھی خودسر اور ضدی بیوی کی پرواہ نہ ہو۔ کوئی پانچ منٹ بعد وہ موٹر سائیکل پر اپنی منزل کی جانب برق رفتاری سے رواں دواں تھا۔ آج اس کا مقصود نظر ہر گز اپنا گھر نہ تھا۔ تسکین کی خود غرضی کا سوچ کر

وہ متنفر اور بے زاری محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے موٹر سائیکل کا رخ اپنے ایک دوست سرمد نیازی کے آفس کی جانب موڑ دیا تھا۔ سرمد ایک کاروباری شخص تھا۔ وہ ایک گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک تھا۔ اور کبیر احمد کا پر خلوص دوست اور کلاس فیلو رہ چکا تھا۔

کبیر احمد نے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے تسکین کے خیال کو سر سے جھٹکا اور اسپیڈ بڑھاتے ہوئے سرمد کے بارے میں سوچنے لگا۔ ابھی وہ اس کے آفس سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اچانک

اس کا موبائل فون کا بزر بجنے لگا۔ اس کی آواز سے کبیر احمد کو دوبارہ تسکین کا خیال آیا اور ناپسندیدگی سے اس کے چہرے کے تیور کھنچ گئے۔ اس نے سرمد کے آفس کے نزدیک موٹر سائیکل کھڑی کی۔ موبائل فون کی ٹون مسلسل شور مچا رہی تھی۔ اس نے دیکھا اسکرین پر تسکین کے موبائل فون نمبر کے بجائے ایک دوسرا نمبر جگمگا رہا تھا۔ یہ تسکین کے والد اور اس کے چچا کا نمبر تھا۔ اس نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا اور موبائل فون پر آنے والی کال ریسیو کرنے کی غرض سے بٹن آن کرتے ہوئے بولا۔

”ہیلو! کبیر اسپیکنگ!“

"میں ذکااللہ بول رہاہوں۔ کیاتم ڈیوٹی سے فارغ ہوگئے ہو؟" تسکین کے والد کی آواز سن کر کبیر احمد نے چونکتے ہوئے چند لمحے سوچا' پھراس نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے معمول کے لب ولہجے میں جواباًکہا۔

"ہاں چچاکچھ دیر پہلے فارغ ہواہوں لیکن آپ نے کیسے اچانک فون کیاہے؟خیریت تو ہے؟"

"خیریت نہیں ہے کبیر احمد تب ہی فون کیاہے۔" اس بار سسر کی تیز آوازاس کی سماعت سے ٹکرائی تواس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ گزشتہ شام تسکن سے ہونے والی تلخ کلامی کاواقعہ اپنی تکلیف دہ جزئیات کے ساتھ اس کے دماغ میں سنسنانے لگا۔تاہم اپنی پرامن طبیعت کو برقرار رکھتے ہوئے متانت آمیز لہجے میں بولا۔"کیابات ہوگئی ہے چچاجو آپ یوں جذباتی ہورہے ہیں۔"

"تم سے ایسی ناسمجھی کی امید نہیں تھی مجھے۔ نجانے کب سے تم تسکین سے ظلم وجبر کاسلوک روا رکھے ہوئے ہواور یوں بے شرمی سے انجان بن رہے ہو۔" ذکااللہ برہم ہوتے ہوئے چراغ پالہجے میں بولتے چلے گئے۔

"آپ صرف مجھے قصوروار ٹھہراکر زیادتی کررہے ہیں چچااور اگر تسکین نے یہ کہاہے کہ میں اس پر ظلم وجبر کررہاہوں تو یہ کھلا جھوٹ ہے۔" سسر کے الزامات کی بوچھاڑ سن کر کبیر احمد نے غصے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابو رکھتے ہوئے دفاعی لہجے میں جواباًکہا۔دوسری جانب ذکااللہ داماد کے مدافعانہ جواب کو شوہر کا روایتی حاکمانہ رویہ گردانتے ہوئے سخت لہجے میں سرزنش کرتے ہوئے بولے۔

"تمہارے حیلے بہانوں سے ہمارے دل ٹھنڈے نہیں ہو سکتے۔تسکین سے مارپیٹ کر کے تم نے مجھے اوراپنی چچی کو خاصا دکھ پہنچایاہے۔لیکن آئندہ اس پرہاتھ اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج کے بارے میں ضرور سوچ لینا کبیر۔کیونکہ دوبچوں کی ماں ہونے کے باوجود تسکین کو ہم زندگی بھر کے لیے بھی اپنے پاس رکھ سکتے ہیں سمجھے میاں!اورہاں اب اپنی چچی سے بات کرو۔" اتنا کہنے کے بعد انہوں نے کبیر احمد کا جوابی موقف سنے بغیر قریب موجود تسکین کی والدہ جن کانام نویدہ بیگم تھاسے بات کرنے کاعندیہ سنایا۔اگلے لمحے کبیر احمد کے کانوں سے چچی کی تندوتیز اور پاٹ دار آواز ٹکرائی۔

تسکین نے چچا' چچی سے اس کی جس انداز میں شکایت کی تھی اور محض ایک تھپڑ کے ساتھ جو اضافی تشدد اور ظالمانہ بدسلوکی کے الزامات اس پر تھوپے تھے وہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھے۔چچی کی دھواں دھار ہرزہ سرائی اور غم وغصے سے گرجتی آواز سن کر کبیر احمد کواپنے ناپسندیدہ جذبات کو ضبط کرنا خاصا دشوار ہورہاتھا۔چچی کے دھمکی آمیز لب ولہجے سے کبیر احمد کے دل ودماغ بری طرح چیخ رہے تھے۔شدت ضبط سے اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔اس نے کمال بردباری سے جیب سے رومال نکالااور پسینہ پونچھتے ہوئے احتجاجاًتیز لہجے میں بولا۔

"آپ میری بڑی ہیں۔ محض اس وجہ سے میں آپ کو بہتان لگانے سے نہیں روک سکتا۔"

یہ جملہ کہہ کر کبیر احمد نے لمحاتی توقف کیا پھر قدرے دل جلے لہجے میں واضح کرتے ہوئے چچی سے بولا۔

"اور رہ گئی منہ توڑنے والی بات' تو تسکین میری بیوی ہے' میں نے اس کی غلطی پر چانٹا مارا ہے تو اسی حق کو استعمال کیا ہے۔ اگر آپ اسے بدمعاشی کہہ کر ظفر اور مظفر کی دھمکی دے رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔ آپ ان دونوں کو میرے تعاقب میں بھیجنے کی تکلیف نہ کریں بلکہ میں خود ہی تسکین کو آپ کے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔" داماد کا دوٹوک جواب فون کی دوسری جانب ساس کے لیے نہلا پہ دہلا کے مصداق تھا۔ کبیر احمد کی وضاحت سے نویدہ بیگم مرچیں چبا رہی تھیں۔ وہ بات سمجھنے اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے نفرت آمیز انا پرستی سے تند و تیز لہجے میں بولیں۔

"اتنی چرب زبانی کہاں سے آ گئی تم میں! ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ میری بیٹی پر ظلم کے پہاڑ بھی توڑتے ہو اور اسے چھوڑنے کی دھمکی بھی دیتے ہو۔ کیا بھول گئے ہو تمہاری بھی دو بہنیں ہیں اگر سلیمہ اور زینت کے ساتھ ایسا ظلم و جبر ہو تب تمہیں پتا چلے۔" ساس کی لن ترانیوں کو سن کر کبیر احمد قدرے تحمل سے بولا۔

"بہنوں اور بیٹیوں کے گھروں کو شاد و آباد رکھنے کی غرض سے ماں باپ دخل اندازی نہیں کرتے۔ سلیمہ باجی اور زینت اپنے گھروں میں خوش اور آباد ہیں محض اس لیے کہ میں ان کے معاملات میں آپ کی طرح انٹرفیئر نہیں کرتا۔"

"لیکن میں اور تمہارے چچا تسکین پر ہونے والے ظلم پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ ہم اپنی بیٹی کو تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ میں جہلم میں سلیمہ سے تمہاری بدمعاشی کے بارے

میں پوچھ گچھ کروں گی۔ تمہارے ابا اور سلیمہ کے اصرار اور پسند سے ہم نے تسکین کی شادی کی تھی۔ اب وہی تمہاری زبان درازی کا جواب دیں گی۔ سمجھے کبیر احمد۔" نویدہ بیگم نے فہمائشی لہجے میں داماد کو کھلے لفظوں میں جتایا۔ اس کے بعد دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ کبیر احمد کے چہرے پر چچا چچی کے شکایت آمیز جملوں سے خاصی برہمی اور بے زاری کے تاثرات تھے۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے موبائل فون آف کیا پھر رومال سے چہرے کو نارمل کرتے ہوئے تسکین کی اپنے ماں باپ سے اس کی چغل خوری کے بارے میں چند لمحے تک سوچتا رہا۔ یہ میاں بیوی کے معاملے میں دخل در نامعقولات جیسی حرکت ضرور تسکین نے کی تھی جو کبیر احمد کے نزدیک بے ایمانی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے درمیان اور چچا چچی کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے وقت کچھ فاصلے پر موجود اپنے دوست سرمد کی گڈز کمپنی کے آفس کو الجھن

آمیز نظروں سے دیکھا۔ ساس وسسر کے تند و تیز جملوں نے اسے ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں انتشار و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ اور اب سرمد سے ملاقات کرنے اور گپ شپ کرنے کی سوچ میں تضاد پیدا ہو گیا تھا۔ بدمزگی کے احساس سے اس کا جوش و خروش مفقود ہو چکا تھا۔ اس نے دل جلے انداز میں ہونٹ کاٹتے ہوئے تسکین کے بارے میں سوچا اور موٹر سائیکل سرمد کے آفس سے موڑتے ہوئے تفکرات کے انجانے راستوں پر ڈال دی۔ اسے احساس ہو چلا تھا کہ ذکا اللہ اور نویدہ بیگم کی اکلوتی چہیتی بیٹی کے جی کا جنجال بنتے مسئلے کو دور کیے بغیر اسے سکون کا سانس لینا نصیب نہیں ہو گا۔

...☆☆☆...

کبیر احمد اندازاً پندرہ منٹ تک خالی الذہنی سے مختلف سڑکوں پر موٹر سائیکل دوڑاتا رہا جب اس کی طبیعت کا انتشار قدرے کم ہوا تو اس نے ایک کیفے کے سامنے گاڑی کو اسٹینڈ کیا۔ وہ تسکین کے بارے میں آئندہ زندگی کے لیے حتمی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت پونے چھ بج رہے تھے۔ کبیر احمد نے رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی پھر وہ پر سوچ قدموں سے چلتا ہوا کیفے میں داخل ہوا۔ شام کے دھندلکے کی وجہ سے کیفے میں لوگوں کی گھما گھمی فزوں تر دکھائی دے رہی تھی۔ اندرونی ہال کی آرائشی روشنیوں سے کیفے کا ماحول جگمگا رہا تھا۔ کبیر احمد نے گوشہ عافیت کی تلاش میں آخری بنچوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر نظریں دوڑائیں۔ ابھی وہ ایک خالی کرسی کو دیکھ کر آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ کسی کھنکتے لہجے نے اسے مخاطب کرتے ہوئے چونکا دیا۔

"ہائے کبیر..." وہ نوخیز دوشیزہ نزدیکی کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آگئی تھی۔ ادھر کبیر احمد نے بھی اسے پہچان لیا تھا وہ نازش تھی۔ اس کی کالج کے زمانے کی شوخ و چنچل اور الہڑ دوشیزہ جو اپنی پر مذاق باتوں سے اسے ہنسنے مسکرانے پر مجبور کر دیا کرتی تھی۔ اپنی بذلہ سنجی کے باوجود نازش ایک قابل اور تیز فہم لڑکی تھی۔ وہ میڈیکل کالج کے فائنل ایئر کی اسٹوڈینٹ تھی۔ اس سے قبل بھی کبیر احمد کی نازش سے چند مرتبہ ملاقات ہو چکی تھی۔ آخری دفعہ نازش اپنی کولیگ کے ہمراہ کسی کام سے لیبارٹری آئی تھی تب کبیر احمد اس سے ملا تھا۔ لیکن اس وقت کیفے میں نازش اکیلی نظر آ رہی تھی۔ وہ ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس تھی اور اس سے میچنگ کرتا نگین گلابی دوپٹہ اس کے شانے پر جھلملا رہا تھا۔ کبیر نے اندازہ کیا کہ نازش کیفے میں غالباً کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے اچانک سامنے دیکھ کر کبیر احمد نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

"اسپیڈی تم یہاں کیسے؟" کبیر احمد نٹ کھٹ مزاج اور باتونی ہونے کی وجہ سے نازش کو اسپیڈی کے نام سے پکارتا تھا۔

"یار اپنے فرینڈ کا انتظار کر رہی ہوں۔ سالا خاصا lazy بندہ ہے۔ کوئی گھنٹے بھر سے بھانت بھانت کے لوگوں کی شکلیں دیکھ دیکھ کر سخت بور نگ ہو رہی تھی۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔" نازش نے عادتاً نان اسٹاپ بولتے ہوئے جواباً کہا۔

"بائی داوے یہ lazy بندہ وہ شریف النفس تو نہیں ہے جس کے آئندہ چند برسوں میں تم گلے کا طوق بننے والی ہو؟" کبیر احمد نے ذو معنی لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو نازش کے سیبوں جیسے گال شرم و حیا سے تمتما اٹھے۔ اگلے لمحے وہ خوشگوار لہجے میں متانت سے بولی۔

"ہاں یار! ارمغان کے ساتھ ایک میوزیکل کنسرٹ میں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس lazy نے پانچ بجے کی ٹائمنگ دی تھی لیکن اب سوا چھ ہو رہے ہیں۔ نجانے موصوف کہاں اٹک کر رہ گئے ہیں۔" نازش نے مصنوعی خفگی سے برہم ہو کر کبیر احمد کی جانب دیکھا۔ اس لمحے وہ بے حد حسین و دلکش لگ رہی تھی۔ کبیر جانتا تھا کہ ارمغان جس کے ساتھ پچھلے برس نازش کی منگنی ہوئی تھی اس کا پھوپھی زاد تھا۔ دونوں گھر والوں کی مصلحت آمیز روک ٹوک کی وجہ سے چھپ چھپا کر باہر ملتے تھے اور سیر و تفریح کے پروگرامز سے انجوائے کرتے تھے۔ کبیر نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بردباری سے کہا۔

"ڈونٹ وری یار! ارمغان کے آنے تک میں تمہیں اپنی کمپنی میں بور نہیں ہونے دوں گا۔ اوکے اسپیڈی!"

"ڈیٹس گڈ" نازش نے شوخ لہجے میں چہک کر کہا۔ پھر کبیر احمد اسے ساتھ لیتے ہوئے ایک پر سکون گوشے میں موجود خالی میز کی جانب بڑھ گیا۔

سرد و گرم چشیدہ لوگوں سے سنتے آ رہے ہیں کہ آدمی باہر کی دنیا میں خوشی و اطمینان کی تلاش و جستجو محض اسی وقت کرتا ہے کہ جب وہ اپنی اندر کی دنیا میں برپا قیامت خیزی سے مضطرب اور بے سکون ہو جاتا ہے۔ کبیر احمد بیوی کی وجہ سے مسلسل ذہنی دباؤ میں مبتلا تھا۔ اسے طبیعت میں یکسوئی اور ٹھہراؤ کی غرض سے ایک سچے دوست کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ جس سے گفت و شنید کر کے وہ ذہنی دباؤ سے فی الوقت خلاصی پا سکتا تھا۔ اس لیے اسے کیفے میں نازش کا ملنا غنیمت لگا۔ دلکش شخصیت کی مالک نازش اس کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔ جس کی دل موہ لیتی باتوں نے اسے یوں ہشاش بشاش کر دیا تھا کہ وہ تسکین کے مسئلے ہی کو بھول گیا۔

کبیر احمد اور نازش کولڈ ڈرنک سے شغل کرتے ہوئے کالج لائف سے وابستہ پر مذاق یادوں کو تازہ کرتے ہوئے شگوفے چھوڑتے رہے۔ نازش کا قہقہوں سے برا حال ہونے کو تھا لیکن کبیر ماضی کی

پر لطف حماقتوں کو بیان کرتے ہوئے رکنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ تقریباً نصف گھنٹے میں اس کا منگیتر ارمغان کیفے میں داخل ہوا اور کھوجتا ہوا ان کے قریب آن پہنچا۔

''ہیلو ارمغان اچھا ہوا کہ تم بروقت آ پہنچے ورنہ تمہارے سولیٹ ہونے کی وجہ سے اسپیڈی اپنی بوریت کا بدلہ لینے کا سوچ چکی تھی۔ تھینکس گاڈ۔'' کبیر احمد نے اداکاری کرتے ہوں دوستانہ لہجے میں ارمغان کو باور کرایا گویا منگیتر کے ناراض ہونے سے ارمغان کے ساتھ انہونی ہو جاتی۔ اس کے انداز پر نازش اور ارمغان دونوں خوشگواری سے ہنس پڑے۔ پھر ارمغان نے احسان مندی سے کبیر سے جواباً کہا۔

''ڈیٹس امیزنگ کبیر! تم نے اس کی ریزروچیئر کو اتنی دیر کیسے برداشت کیا؟ میرے کزنز تو محض چند منٹوں میں اس کی طرح داری سے کان پکڑتے ہوئے رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ کیوں نازش میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے جناب! کیونکہ تم نے اچھے، مہذب اور معقول لوگوں سے مجھے ٹاکنگ کرتے نہیں دیکھا۔ میں کبیر جیسے اسمارٹ مردوں کو امپورٹنس بھی دیتی ہوں۔'' نازش نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو ارمغان بے اختیار قہقہہ لگاتے ہوئے ہنس دیا۔

''سنبھالو کبیر! اے پری شش بے ٹر!'' ارمغان نے توجہ دلاتے ہوئے کبیر سے کہا۔

میز کی دوسری جانب کبیر احمد کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ زندگی کی خوشیوں سے لبریز ہو گئی تھی۔ اس نے رشک آمیز نگاہوں سے نازش سے کہا۔

''تھینک یو اسپیڈی! تمہاری چہکتی مہکتی شخصیت ارمغان کی نوک جھونک کے ساتھ بہت سوٹ کرتی ہے۔'' اس کے تحسین آمیز جملے سے دونوں کے چہرے پر پسندیدگی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ کبیر احمد اس وقت خود کو بھی ہلکا پھلکا اور طمانیت خیز محسوس کر رہا تھا۔ حالانکہ نازش اور ارمغان جیسی اسمارٹ جوڑی دیکھ کر وہ دل ہی دل میں تسکین کے لیے دکھ و تاسف میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پھر کوئی پانچ دس منٹ بعد نازش اور ارمغان کو رخصت کرتے ہوئے جذبہ خیر سگالی سے مسکرا رہا تھا۔ جیسے دل جلے لوگ اپنی پریشانیوں سے قطع نظر ہو کر دوسروں کو نیک تمناؤں کے ساتھ الوداع کہتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد کبیر احمد ساس، سسر کی تند و تیز ہرزہ سرائی پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و خوض کرنے لگا۔ محض تسکین کی شکایت پر چچا چچی نے اسے سو باتیں سنا ڈالی تھیں۔ موصوفہ نے گھر کا بھیدی ہوتے ہوئے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اب اس بے اعتباری کے ماحول میں کبیر احمد کو تسکین کا علاج سوچنا تھا۔ اسے فرحان اور مہرین دونوں بچے فکر مندی سے دوچار کر رہے تھے۔ جس کے باعث وہ کوئی نتیجہ خیز تدبیر سوچنے سے معذوری محسوس کر رہا تھا۔ کم و بیش گھنٹے بھر وہ سر کھپاتا رہا اور سگریٹ پھونکتے ہوئے دل و ذہن کو خود سے زیر و زبر کرتا رہا۔ اس دوران اس نے دردِ سری سے زچ ہوتے ہوئے دو دفعہ چائے بھی پی۔ آخر میں جب وہ کرسی سے اٹھ

رہا تھا تو کیفے کے وال کلاک میں ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اس نے چھوٹے بچوں کی موجودگی کے سبب تسکین کے سامنے مزید ایک بار پھر سرنڈر ہونے اور سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔اسے معصوم بچوں کا بھی تسکین کو احساس دلانا تھا کہ ان کے لڑائی جھگڑوں سے کہیں فرحان اور مہرین احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو جائیں، بیمار نہ ہو جائیں اتنا سوچ کر کبیر احمد کیفے سے باہر نکل آیا اور قدرے اطمینان سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

...☆☆☆...

کبیر احمد گھر پہنچا تو دروازے پر لاک دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ گزشتہ شام تلخ کلامی کے دوران اس نے تسکین کو جو تھپڑ لگایا تھا اس سے تسکین کی انا بری طرح زچ ہوئی تھی۔اس نے رات بھر کبیر احمد سے کوئی بات نہیں کی تھی اور صبح اس کے لیبارٹری روانہ ہونے کے بعد وہ سخت برہم ہو کر دونوں بچوں کو لے کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی تھی۔ چچا چچی نے موبائل فون پر جس ناراضی اور غصے کا اظہار کیا تھا وہ اس بات کا بین ثبوت تھا۔ بیٹی کا رونا دھونا سن کر ذکا اللہ اور نویدہ بیگم نے اسے بچوں کے ساتھ گھر بلا لیا تھا۔ کبیر احمد نے تلملاتے ہوئے بیوی کی جذباتی حماقت کے بارے میں سوچا۔ تسکین نے اسے اطلاع دینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔اس نے موبائل فون پر نہ تو کال کی تھی اور نہ ہی کوئی میسج بھیجا تھا۔اس کی خود سری کو محسوس کرتے ہوئے کبیر احمد نے دل جلے انداز

میں ہونٹ کاٹے پھر اس نے ڈپلی کیٹ چابی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ ابھی چھ سات منٹ ہی گزرے تھے کہ موبائل فون کی ٹون بجنے لگی۔ کبیر احمد نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو اس کا منہ کرکرا ہو گیا۔ تسکین کی کال تھی۔اسے آخر کار کبیر سے بات کرنے کا خیال آ گیا تھا۔اس نے کال کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور بے پروائی سے کھانا کھاتا رہا، فون ٹون کچھ دیر تک متواتر بجتی رہی پھر بند ہو گئی۔ ڈنر کرنے تک تسکین نے چار پانچ دفعہ مس کال کی تھیں لیکن کبیر نے ریسیو کرنے کے بجائے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ سوفے سے اٹھا اور پر سوچ قدموں سے گھر میں ٹہلنے لگا، اس نے اگرچہ تسکین سے بات نہیں کی تھی لیکن وہ اس کی بیوی ہونے کی وجہ سے گھر کے طول و عرض پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا۔اس لیے تسکین لاشعوری طور پر دوبارہ اس پر سوار ہو گئی تھی۔ کبیر احمد ٹہلتے ہوئے ذہنی دباؤ محسوس کر رہا تھا۔اندازاً پندرہ منٹ ٹہلنے کے

بعد وہ کچن میں داخل ہوا۔ دو کپ چائے بنائی اور مگ لیتے ہوئے واپس لاؤنج میں آ گیا۔اس نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے موبائل فون کی اسکرین کو دیکھا۔ تسکین کا تھرکتا جھلملاتا نمبر ماند پڑا تھا۔ یقیناً اس نادان عورت نے شوہر کی ناراضی کو جان لیا تھا، اس لیے اس نے دوبارہ مس کالز کی تکرار نہیں کی تھی لیکن کبیر احمد نے چائے ختم کر کے ابھی مگ ٹیبل پر رکھا ہی تھا کہ خلاف توقع

موبائل فون کی ٹون بجنے لگی۔اسکرین پراس کی بیوی کے بجائے کوئی دوسرا نمبر جھلملا رہا تھا۔کبیر احمد نے قدرے تجسس سے سوچا اور موبائل فون کی میوزک ٹون بند کرتے ہوئے کان سے لگایا اور باوقار لہجے میں بولا۔

"ہیلو...کبیر اسپیکنگ۔آپ کون؟"

"بھیا'میں زینت بول رہی ہوں ٹنڈو آدم سے۔" دوسری جانب سے چھوٹی بہن کی آواز سن کر کبیر احمد قدرے چونکا۔

"خیریت تو ہے زینو!اس وقت کیسے فون کیا؟"اس نے مشفقانہ سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں خیریت سے ہوں بھیالیکن نویدہ چچی نے وسیم سے تمہارے بارے میں بہت گھٹیا اور غلط سلط باتیں کی ہیں اس لیے فون کیا ہے۔" زینت کے استفسار میں بھائی کی حمایت کا پرجوش احساس چھلک رہا تھا۔وہ کافی دیر سے کبیر احمد کا نمبر ٹرائی کررہی تھی لیکن اسے جوابی سگنل نہیں مل رہا تھا۔چھوٹی بہن کی بات سن کر کبیر احمد جواباً قدرے نخوت سے بولا۔

"نویدہ چچی اوران کی چہیتی بیٹی کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔انہوں نے وسیم سے اپنے گلے شکوے کرکے اچھا نہیں کیا!ایسی بد دماغی میں برداشت نہیں کروں گا۔" ساس کی بہتان طرازی پر وہ ناپسندیدگی کے جذبات سے تلملا گیا تھا۔وسیم اس کا چھوٹا بہنوئی تھا۔نویدہ چچی نے اس سے کبیر احمد پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو جھوٹے الزامات لگائے تھے اس سے ظاہر ہے کبیر احمد کا شخصی وقار مجروح ہوا تھا۔دوسری جانب سے زینت کی پر تجسس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کبیر بھیا'آپ نے تسکین کے ساتھ مار پیٹ نہیں کی ہے تو وہ بچوں کو لے کر چچی چچا کے گھر کیوں چلی گئی ہے؟"

"زینو'کیا تم اپنے بھائی کی طبیعت سے واقف نہیں ہو۔" کبیر احمد نے قدرے تحمل اور بردباری سے کہا پھر لمحاتی وقفے کے بعد سرزنش آمیز لہجے میں بولا۔

"محض ایک تھپڑ کو وجہ بنا کر تسکین مجھے ظالم اور جانور کہہ کر بدنام نہیں کرسکتی۔اور کیا یہ اچھی بیویوں کے طور طریقے ہیں زینو؟"

"واقعی بھابی نے یہ اچھی حرکت نہیں کی بھیا!میاں بیوی کو بات چیت کرکے خود سے مسائل کو حل کرنا چاہیے۔" زینت نے چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق متانت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہی تو بات ہے زینو جو تسکین نہیں سمجھنا چاہتی۔تین چار ہفتوں سے اس کے دماغ میں نجانے کیا خناس سمایا ہے کہ بات بے بات اختلاف کرنے لگتی ہے اور کسی بھی معاملے میں میرے مشوروں کے بغیر اپنی مرضی چلاتی ہے۔محض اسی ضدی پن کی وجہ سے میں نے مجبوراً اسے تھپڑ رسید کیا تھا

کہ شاید اسے عقل آ جائے۔'' کبیر احمد نے تسکین کے ساتھ کئی روز سے جاری چپقلش کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے کہا۔

''بھیا آپ کو اس بارے میں چچی چچا کو پہلے سے آگاہ کرنا تھا۔ دیکھئے نا تسکین نے جو جھوٹی سچی باتیں چچا چچی کو بتائیں انہوں نے اس پر یقین کر لیا اور گھریلو اختلاف کا سارا الزام آپ کے سر ڈال دیا۔''

''ابھی تم نے کہا تھا نا کہ گھر کا مسئلہ گھر کے اندر ہی رفع دفع ہو جائے تو بہتر ہے' میں نے بھی اس خیال سے چچی چچا کو قبل از وقت نہیں بتایا تھا کہ خود ٹھنڈے دل و ذہن سے تسکین کو سمجھا دیتا ہوں لیکن وہ عقل کی دشمن اپنے ماں باپ کے ساتھ مل کر میرے لیے ذلت و رسوائی کا سبب بن گئی۔'' جواباً کبیر احمد نے قدرے غصے اور افسوس سے کہا۔ پھر ایک لمحے کے توقف سے پریشان کن لہجے میں دوبارہ بولا۔

''ایسی کم عقل عورتیں خود اپنے ماں باپ اور گھر والوں کے لیے وبال جان ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے مجھے تو فرحان اور مہرین کی فکر لاحق ہے۔ کہیں تسکین کی نادانیوں کے باعث ان معصوموں کو کچھ نہ ہو جائے۔''

''بہر حال بھیا' بات جو بھی ہے تسکین کو چچا چچی نے اپنے پاس روک لیا ہے' وسیم بتا رہے تھے کہ نویدہ چچی آپ دونوں کے لڑائی جھگڑے کے بارے میں جہلم سلیمہ باجی سے شکایت کرنے کا پیغام

دے رہی تھیں۔ وہ کافی غصے میں بات کر رہی تھیں۔ اس لیے سلیمہ باجی کا فون آئے تو احتیاط اور صبر و ضبط سے بات کیجیے گا۔ میں نے یہ اطلاع دینے کی غرض سے آپ کو فون کیا تھا۔'' اتنا کہہ کر زینت نے چند لمحے توقف کر کے کبیر احمد سے کہا۔

''اور ہاں بھیا' وسیم واش روم سے آ رہے ہیں۔ وہ بھی آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ آپ دو منٹ رکیے گا۔''

کچھ دیر بعد کبیر احمد نے تسکین کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اپنے چھوٹے بہنوئی وسیم کے ناصحانہ مشوروں کو خندہ پیشانی سے سنا اور اس کے مطابق اس معاملے میں ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ موبائل فون آف کرتے ہوئے کبیر احمد کے چہرے پر قدرے غصے اور بے زاری کے تاثرات تھے۔ چچی نویدہ نے اس کے خلاف

چھوٹی بہن اور بہنوئی سے جو جھوٹی سچی باتیں مرچ مسالا لگا کر بیان کی تھیں اس سے کبیر احمد کا وقار مجروح ہوا تھا اور اسے توہین محسوس ہو رہی تھی۔ وہ طبعاً راست باز اور سکون پسند مزاج کا حامل شخص تھا۔ اس کی شخصیت کو خراب کرتی' یہ اختلافی باتیں اور مسلسل اضطراب و انتشار میں مبتلا کرتی دروغ گوئی اب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کوشش کے باوجود بھی جب وہ ذہنی دباؤ سے جان نہ چھڑا پایا تو اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھے گلدان کو غصے میں اٹھا کر دیوار پر کھینچ مارا۔

پکی مٹی سے بنے خوب صورت گلدان کے ٹوٹنے سے ماحول ہلکے سے دھماکے سے گونج اٹھا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ برہم جذبوں کے کتھارس سے کبیر احمد کی طبیعت کا سکون قدرے بحال ہوا اور وہ سنجیدگی سے چچا چچی اور ان کی چہیتی بیٹی کی اختلافی روش کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگا۔

...☆☆☆...

تسکین بچوں سمیت تین دن تک اپنے ماں باپ کے گھر رکی رہی 'اس دوران کبیر احمد کی دو مرتبہ جہلم میں سلیمہ باجی سے بات چیت ہوئی۔ بڑی بہن ہونے کی حیثیت سے انہوں نے کبیر سے بیوی کے ساتھ نااتفاقی کے بارے میں بازپرس کی۔ جواباً کبیر احمد نے گزشتہ چند ہفتوں سے تسکین کی خود سری اور من مانیوں کا سارا ماجرا سلیمہ باجی کے گوش گزار کر دیا۔ سلیمہ باجی چچی چچا سے تسکین کی ساری شکایتوں کا احوال لے چکی تھیں۔ نرم لہجے میں اسے سمجھانے لگیں۔ ان کے بقول خانگی زندگی میں عورت مرد کی سربراہی میں اس کی ماتحت اور خدمت گار ہوتی ہے۔ اس لیے معاملات میں اونچ نیچ اور کسی طرح کی کوتاہی کر بیٹھتی ہے۔ لیکن مرد کو مرتبت اور تمام ذمہ داریوں کا حامل ہونے کی وجہ سے صورت حال کو سنبھالنا پڑتا ہے اور قدرے سختی کے ساتھ ساتھ درگزر اور مصلحت آمیزی سے کام لینا پڑتا ہے۔ ٹیڑھی پسلی کی جذباتی غلطیوں کو وہ فہم و فراست سے صحیح خطوط پر استوار کرتا

ہے۔ اگر مرد بھی معاملات میں عورت کی مانند جذباتی اور غیر سنجیدہ رویہ اختیار کر لے تو گھر کی خوشیاں اور امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کبیر احمد کو جذباتی انداز میں کوئی قدم اٹھانے کے بجائے پیار اور نرمی سے کام لینا ہوگا۔ سلیمہ باجی کی باتوں کے جواب میں کبیر احمد نے اپنے دفاع کے طور پر قدرے مزاحمت کا مظاہرہ کیا تاہم بڑی بہن کے مقام کی پاسداری کے خیال سے اسے چچا چچی کے تحفظات کو تسلیم کرنا پڑا اور سلیمہ باجی کی عزت کی خاطر یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ آئندہ تسکین پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا اور اس کے ساتھ محبت' نرمی اور رواداری کا برتاؤ کرے گا۔ وہ سلیمہ باجی سے کھل کر یہ نہ کہہ سکا تھا کہ مرد بھی گوشت پوست کا انسان ہوتا ہے۔ اس کی قوت برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ ایک جھگڑالو عورت کو محض اپنی حدوں تک ہی چھوٹ دے سکتا ہے اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ کبیر احمد کی خاموشی سے سلیمہ باجی خوش اور مطمئن ہو گئیں ۔یوں اگلے روز تسکین اور بچے اس کے چھوٹے سالے مظفر کے ہمراہ کبیر احمد کے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ مظفر انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ اس طرح سلیمہ باجی کی ثالثی کی وجہ سے کبیر احمد اور تسکین کی خانگی زندگی کی گاڑی دوبارہ اپنی ڈگر پر رواں دواں ہو گئی۔

اگرچہ دونوں میاں بیوی پھر سے خاطر طبع اور باہمی معاونت کے احساس سے بندھ گئے تھے۔ تاہم اب کبیر احمد کے رویے میں ایک خاص تبدیلی عود کر آئی تھی۔ وہ تسکین کو کسی کام میں مشورے دینے سے گریز کرنے لگا تھا اور اس کی حیل و حجت آمیز باتوں کے سامنے چپ سادھ لیتا تھا۔ اکثر

تسکین شیر خوار مہرین اور فرحان کے کاموں میں وہ کبیر احمد کے کھانے پینے اور دیگر ضروری کاموں کو نظر انداز کر دیتی تو کبیر اس کی بے پروائی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے خود سے اپنے کاموں کو نمٹالیتا۔ اس لحاظ سے تسکین کو قدرے آزادی اور سہولت میسر آگئی تھی کہ سلیمہ باجی کے بیچ میں پڑنے سے کبیر احمد نے بحث و تکرار اور اپنے تحکمانہ رویوں کو کسی قدر قابو میں کیا تھا جس سے تسکین کی انا بہت مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ حالانکہ کبیر احمد کی سوچ و فکر کے مطابق تسکین کی یہ آزادی محض بچوں کی مرہون منت تھی۔ وہ محض مہرین اور فرحان کی دیکھ بھال اور ان کے آرام کے خیال سے تسکین کی کوتاہیوں کو در گزر کرتا تھا لیکن ایک روز تسکین نے اپنی حماقت اور کم عقلی سے کبیر احمد کے اس احساس و لحاظ کو بھی غارت کر دیا۔

ایک شام کبیر احمد لیبارٹری سے ڈیوٹی آف کر کے لوٹا' لائونج میں داخل ہوتے وقت اس نے ننھے فرحان کو منہ بسورتے ابتر حالت میں دیکھا یوں جیسے تسکین اسے میلے و گندے کپڑوں میں کھیلتا چھوڑ کر بے پرواہو گئی ہو۔ کبیر احمد نے محبت اور مشفقانہ لہجے میں فرحان کو چمکارا تو وہ تتلاہٹ اور معصومیت سے بولا۔

''ابوابو... منی تو بتار ہورہاہے۔'' کبیر نے غور کیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ بچہ کہہ رہا تھا کہ منی (مہرین) کو بخار ہو گیا ہے۔ اگلے لمحے تسکین کی غفلت اور عدم توجہی کا سوچ کر اسے غصہ آگیا۔ تسکین نے

مہرین کی طبیعت کی خرابی کے بارے میں اسے موبائل فون پر بھی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ یہ سوچتا ہوا وہ اندرونی کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ تسکین کمرے میں پنگھوڑے میں روتی مہرین کو بہلا رہی تھی لیکن بچی متواتر روئے جا رہی تھی۔ کبیر احمد کے استفسار پر تسکین نے جھلاتے ہوئے بتایا کہ دست و اسہال سے مہرین کی طبیعت سنبھلنے میں نہیں آرہی ہے اور وہ مسلسل روئے چلی جا رہی ہے۔ کبیر احمد نے شیر خوار بچی کی پیشانی کو چھوا تو وہ تیز بخار سے تپ رہی تھی۔ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس نے مہرین کو جھولے سے گود میں لیا اور غصے سے برہم ہو کر تسکین سے بولا۔

تم کتنی سست عورت ہو تسکین اس کا آج مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔ نجانے کب سے بچی کی حالت خراب ہے مگر تم نے مجھے اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا۔ سہل پسندی نے تمہیں نکما بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ تمہیں اس ننھی جان کا بھی احساس نہیں رہا۔ تف ہے تسکین تم پر۔'' اتنا کہہ کر کبیر احمد مہرین کو آغوش میں اٹھائے کمرے سے باہر نکل گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ بچی کو سنبھالے تیز تیز

قدموں سے قریبی پرائیویٹ کلینک کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بیوی کی کم عقلی نے آج اس کے دل پر مزید ایک اور چرکا لگایا تھا۔

...☆☆☆...

"تم نے کیسے مجھے آرام پسند کہہ دیا؟ میں سارا سارا دن تمہارے بچوں کو سنبھالتی ہوں اور حال سے بے حال ہو جاتی ہوں لیکن تم مجھے ہی مورد الزام ٹھہراتے ہو۔ کیوں بھئی؟" تسکین نے زچ ہو کر نخوت سے کہا۔ اس وقت کبیر احمد لائونج میں اس کی لن ترانیوں کو سنتے ہوئے بمشکل جذبات پر ضبط کیے ہوئے تھا۔ اس کے پہلو کے قریب تین برس کا فرحان ہچکیاں بھرتے ہوئے رو رہا تھا۔ کبیر احمد کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ اور وہ بیوی کی منہ زوری کو برداشت کرتے ہوئے بچے کے سر کو محبت و شفقت سے سہلا رہا تھا۔ دراصل کچھ دیر پہلے فرحان گھر کی دہلیز کے باہر کھیلتے کھیلتے کچھ آگے سڑک کی جانب نکل گیا تھا۔ اس دوران کبیر احمد ڈیوٹی کر کے گھر پہنچا ہی تھا کہ وہ فرحان کو سڑک کی ایک جانب کھیل میں مگن دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر اس نے پر تشویش نظروں سے دیکھا تھا کہ ناگہانی حادثے سے بچاتے ہوئے ایک راہ گیر نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔ کبیر احمد نے تسکین کو اسی غفلت پر سرزنش کی تھی جس پر احتجاجاً اس نے دن بھر کی بچوں کے لیے اپنی ساری روداد سنا ڈالی تھی۔

"میں الزام نہیں دے رہا بلکہ تمہیں اس بات کا احساس دلا رہا ہوں کہ اگر بچے کو کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو تمہارا سارا آرام غارت ہو جاتا سمجھیں۔"

"بچے صرف میرے نہیں تمہارے بھی ہیں۔ میرے سکون کو برباد کر کے تم بھی چین سے نہیں رہ سکتے۔" تسکین نے ترش روی سے جواباً کہا۔ اس کے زہر خند تیور پر کبیر احمد برہمی سے بولا۔

"اپنے لب و لہجے کو ٹھیک کرو تسکین، ورنہ میں بھی ایک حد تک ہی تمہارے نخروں کو برداشت کروں گا۔"

"جانتی ہوں تمہاری حدوں کو اس لیے تو یاد دلا رہی ہوں۔" تسکین کے تنفر آمیز لفظوں میں سلیمہ باجی کے لیے اشارہ تھا۔ کبیر احمد بخوبی سمجھ رہا تھا کہ تسکین اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے مسلسل بحث و تکرار کر رہی تھی جس کا سبب محض سلیمہ باجی کی جانب سے حاصل ہونے والی وکالت اور حمایت تھی۔ اس وقت کبیر احمد نے خود کو بے بسی میں مبتلا محسوس کیا تاہم وہ مردانہ وقار سے تسکین کو باور کراتے ہوئے بولا۔

"سلیمہ باجی نے گھر کے سکون کے خیال سے تمہاری طرف داری کی تھی لیکن تم نے اسے اب تک نہیں سمجھا ہے۔ یاد رکھنا اگر تم نے مسلسل اسی ناسمجھی کا رویہ رکھا تو میں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں کسی طرح کا فرو گزاشت نہیں رکھوں گا۔ یہ بات خوب سمجھ لو تسکین۔"

"میں کیوں سمجھوں کبیر! بلکہ تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں بچوں کی اچھی دیکھ بھال اور ان کے آرام و صحت کی فکر ہے تو ان کے لیے گھر میں ملازمہ رکھ لیں۔ اب مجھ سے تمہارے روز روز کے گلے شکوے سننے کی تاب نہیں ہے۔ اس طرح ملازمہ کے آنے سے تمہاری خواہش کے مطابق دونوں بچوں کو گڈ گورننس مل جائے گی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں کبیر۔" تسکین نے

طمطراق انداز میں کہتے ہوئے یوں کبیر احمد کی جانب دیکھا گویا اس نے شوہر کو لاجواب کر دیا ہو۔ اور یہ کہ اب کسی بحث و تکرار کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ کبیر احمد نے اس کی تند و تیکھی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے چند لمحے سوچا اور پھر سرد مہری سے کہا۔

"تم یہ نہیں مانو گی کہ گھر اور بچوں کے سکون کے لیے خود تمہارا سنجیدہ اور بردبار ہونا ضروری ہے۔ لیکن میں اس کے باوجود ملازمہ رکھ کر دیکھ لیتا ہوں، کہ شاید تمہاری موجودگی میں گھر اور بچوں کا سکون مجھے میسر آجائے۔" اتنا کہہ کر کبیر احمد نے فرحان کو پچکارتے ہوئے مشفقانہ نگاہوں سے دیکھا اور صوفے سے اٹھ کر اندرونی کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے عقب میں کھڑی تسکین کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ وہ سلیمہ باجی کے کندھے پر بندوق رکھ کر کبیر احمد کو ڈرانے یادھمکانے سے خوب آشنا ہو چکی تھی اور اس کے رعب و دبدبے میں آئے بغیر اپنی باتوں سے اسے تگنی کا ناچ نچانے پر مجبور کر سکتی تھی، وہ کوئی بیوی نہیں، ماں نہیں بلکہ محض عورت تھی، جسے اپنی انا اور رعب و دبدبہ عزیز تھا۔

...☆☆☆...

کبیر احمد نے ناعاقبت اندیش بیوی کی خواہش پر بچوں کی دیکھ بھال کی غرض سے ایک ملازمہ رکھ لی تھی۔ یہ ایک غریب جوان عورت تھی۔ جو تین چار گھروں میں جزوقتی کام کر کے روزانہ کی اجرت

سے گزر بسر کرتی تھی۔ کبیر احمد نے اسے آٹھ سے دس گھنٹوں کے لیے ملازمہ رکھ لیا تھا۔ اور دو وقت کے کھانے اور کپڑے لتے کی سہولت کے ساتھ اچھی تنخواہ مقرر کی تھی۔ ملازمہ جس کا نام نصیبو تھا کبیر احمد کے بچوں کی رکھوالی پر فوراً راضی ہو گئی تھی اور اگلے دن سے وہ اپنے کام پر لگ گئی تھی۔ ادھر تسکین کو بھی حکمرانی کا شوق پورا کرنے کے لیے ایک نوکرانی مل گئی تھی۔ چند دنوں تک نصیبو گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کا کام کرتی رہی تاہم کبیر احمد کی توقع کے مطابق وہ تسکین کے نخروں اور چرب زبانی سے تنگ آکر نوکری چھوڑ کر چلی گئی۔ اس نے کوئی ہفتے بھر کام کیا تھا لیکن محض تسکین کے طعنوں تشنوں سے دل برداشتہ ہو کر اس کام کے پیسے بھی نہیں لے کر گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد کبیر احمد نے دوسری ملازمہ بھی رکھی تھی لیکن وہ بھی تسکین کی بدزبانی سے کان پکڑتی کام چھوڑ گئی۔ اب گھر کے حالات اور بچے تسکین کے رحم و کرم پر آگئے تھے۔ جس کی وجہ سے کبیر احمد دوبارہ بے سکون ہو گیا تھا۔ تسکین کی اختلافی روش کے بارے

میں وہ دن بھر پریشان رہتا اور اس کا کوئی مناسب حل نہ پا کر بے بسی سے سر پکڑے بیٹھا رہ جاتا۔ دوسری جانب تسکین شوہر کی عاجزی اور کم مائیگی سے لطف اندوز ہوتی دکھائی دیتی تھی۔ اس نے فتح مندی کے غرور سے کبیر احمد کی مردانہ فہم و فراست اور دانش مندانہ چالوں کو ناکام بنا دیا تھا اور اس کی مدبرانہ سوچوں کو بری طرح زچ کر دیا تھا۔

ایک دن کبیر احمد لیبارٹری کے ٹرانسپیرنٹ چیمبر میں اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ تسکین کا قضیہ اس کے لیے یوں جنجال بن گیا تھا کہ وہ کام کرتے ہوئے ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو جاتا تھا اور پریشان کن کیفیت میں سوچ بچار کرنے لگتا تھا۔ اس وقت بھی کبیر احمد بیوی کی موشگافیوں کو سلجھانے کی دردسری میں مبتلا نظر آتا تھا۔ اضطراب سے اس کے چہرے پر قنوطیت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس وقت شعبے کے کنسلٹ پروفیسر ڈاکٹر متین الرحمن اپنی ریوالونگ چیئر پر موجود نہیں تھے۔ ورنہ ان کے استفسار پر کبیر احمد کو خجالت آمیز شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کی میز پر کچھ نشان زدہ سلائیڈیں اپنے حتمی نتائج کی وجہ سے ادھوری پڑی تھیں لیکن کبیر احمد ان کی جانب بھی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اس نے بوجھل ذہن سے ایک گہری سانس کا ہلکورہ لیا۔ پھر میز کی دراز سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا۔ اس میں کنفیکشنری کی متفرق چیزیں جن میں ٹافیاں، کینڈیز، سونف سپاری، وغیرہ شغل کے لیے موجود تھیں۔ کبیر احمد نے باکس میں سے تین چار چیونگم نکالے، ڈبا واپس دراز میں رکھا، پھر چیونگم چباتے ہوئے نامکمل سلائیڈوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس وقت گلاس روم میں آویزاں وال کلاک میں تین بج رہے تھے۔ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے گلاس روم کا ٹھنڈا ماحول یکسوئی اور ذہن کو جلا بخشتا محسوس ہو رہا تھا۔ کبیر احمد کو اپنے کام میں منہمک ہوئے کوئی دس ایک منٹ گزرے تھے کہ اسی اثناء میں گلاس روم کا دروازہ کھلا اور پختہ عمر اور سوٹڈ بوٹڈ شخص اندر داخل ہوا۔ یہ محکمہ ریلوے کے لوگیج ڈپارٹمنٹ کے انچارج ابوریحان صاحب تھے۔ دو دن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے انہوں نے اپنی بیگم کا شوگر ٹیسٹ کروایا تھا اور اس کی رپورٹ لینے کی غرض سے آئے تھے۔ کبیر احمد نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ ابوریحان کو خوش آمدید کہا۔ ابوریحان نے عینک درست کرتے ہوئے اس کی گرم جوشی کا جواب دیا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے حسب ذوق منہ میں پان دبایا ہوا تھا۔ پھر وہ نہایت خوش گلوئی سے پان چباتے ہوئے اپنی بیگم کی رپورٹس کے بارے میں استفسار کرنے لگے۔ میز کی دوسری جانب کبیر احمد نے توجہ سے ابوریحان صاحب کا مدعا سنا، اسے ابوریحان کے انداز تکلم سے پان کی مخصوص تیز خوشبو کا بھپکا سانسوں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دل و ذہن ناگواری سے کلبلا رہے تھے اور وہ اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے ابوریحان کی خوشبودار پوچھ پاچھ کو برداشت کرتے ہوئے موصوف کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ریلوے ڈپارٹمنٹ کے افسر مجاز کی بات مکمل ہوئی تو جواباً کبیر احمد نے خوش اخلاقی سے رپورٹس کی بابت مطلع کیا کہ مطلوبہ رپورٹس ابھی تیار نہیں ہیں، تاہم اگلے روز لنچ ٹائم سے پہلے انہیں یہ رپورٹس دستیاب ہو جائیں گی۔ اس کی وضاحت سن کر ابوریحان نے ہونکاری بھرتے ہوئے سر ہلایا اور کہا کہ وہ بیگم کی رپورٹس کے لیے کل دوبارہ لیبارٹری آجائیں گے پھر انہوں نے رخصت ہوتے ہوئے کبیر احمد سے مصافحہ کیا۔ اور گلاس روم سے باہر نکل گئے۔

کچھ دیر تک ابوریحان کے پان کی مہک کبیر احمد کے حواس پر چھانے لگی تو اس نے ایئر فریش سے میز کے آس پاس اسپرے کر کے سانسوں کو بحال کیا۔ اور دوبارہ سے اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گیا،

لیکن ابھی دو منٹ گزرے تھے کہ اس کے موبائل فون کی ٹون بجنے لگی۔اس نے ذرا توقف سے اسکرین کو دیکھا۔تسکین نے اسے گھر سے میسج بھیجا تھا۔اس نے ناپسندیدگی کے جذبات سے بیگم صاحبہ کا میسج پڑھا' لکھا تھا۔'کبیر' صبح روانہ ہوتے وقت آپ سے نئی ملازمہ رکھنے کی بات یاد دلائی تھی'اس کا کیا بنا؟''بلائے جان بیوی کا یہ تحکمانہ جملہ پڑھ کر کبیر احمد نے غصہ ضبط کرتے ہوئے بے زاری سے سر تھام لیا۔پھر چند لمحوں تک دل جلے جذبوں سے سوچتا رہا تسکین کی خود سری اس کے لیے عذاب بنتی جا رہی تھی۔پھر کبیر احمد نے جوابی میسج لکھ کر بھیج دیا۔اس نے بیوی کو سرزنش کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''بھاڑ میں گئی نئی ملازمہ' پہلے اپنا دماغ درست کرو۔کیونکہ تمہاری بدزبانی کی وجہ سے وہ بھی کام چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔'' بیوی کی بے وقت کی راگنی سے کبیر احمد کا موڈ آف ہو گیا تھا۔اس نے ذہن کو ہلکا پھلکا کرنے کے خیال سے دوسرا نیا چیونگم منہ میں رکھ لیا اور چباتے ہوئے سوچنے لگا۔بیوی کو میسج ڈائون لوڈ کرتے وقت ایک پرخیال سوچ اس کے دماغ میں جھماکے سے آئی تھی۔اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ تسکین کی اختلافی روش کے پیچھے شاید کوئی دوسرا شخص کارفرما تھا۔جو محض کبیر احمد کے گھر کے سکون کو برباد کرنے کی غرض سے تسکین کو ورغلا رہا تھا اور اس کے خلاف بھر رہا تھا۔گزشتہ ڈیڑھ دو ماہ سے تسکین نے اپنے اختلافی طرز عمل سے اور خود سرانہ من مانیوں سے کبیر احمد کی طبیعت کو برانگیختہ کر کے رکھ دیا تھا اور اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ذہنی تنائو اور

اضطراب میں رہنے لگا تھا۔چیونگم چباتے ہوئے وہ پرسکوت ماحول میں غور و خوض کرنے لگا کہ وہ مہیب اور رذیل دشمن کون ہو سکتا تھا؟اس کی چچی اور ساس نویدہ بیگم کا رویہ بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کے واقعے کے بعد سے کبیر احمد کے ساتھ قدرے تلخ اور شاکی ہو گیا تھا ممکن تھا کہ تسکین ان کی سکھائی باتوں اور طور طریقوں پر عمل کر رہی ہو اور ماں بیٹی کا مقصد اسے اپنے سحر میں مبتلا کر کے اس پر غلبہ پانا ہو' اور اپنی مرضی سے کسی جانور کی مانند ہانکنا ہو۔یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دوسرا شخص کوئی اور ہو جسے محض تسکین جانتی ہو اور جو اس کی عدم موجودگی میں گھر میں آتا جاتا رہا ہو یا پھر وہ سوچنے لگا کہ کسی طریقے سے اسے یہ ادراک ہو جائے کہ اس کی غیر موجودگی میں تسکین کی کیا سرگرمیاں رہتی ہیں اور گھر میں کون کون آتا جاتا ہے؟تاہم وہ کچھ دیر سوچ کر حسرت و مایوسی سے گہرا سانس لے کر رہ گیا۔اندازاً پندرہ بیس منٹ بعد کبیر احمد کے باقی ماندہ کام نمٹانے کے دوران پروفیسر متین الرحمن گلاس روم میں داخل ہوئے۔وال کلاک میں ساڑھے تین بج رہے تھے۔کبیر احمد نے مرتب کردہ آج کی رپورٹس پر متین الرحمن سے دستخط کروائے۔پروفیسر اور اس کے درمیان کچھ پرلطف جملوں کا تبادلہ ہوا۔حسب عادت کبیر احمد

نے خوش طبعی سے پروفیسر صاحب کو لاجواب کر دیا تھا۔پھر ڈاکٹر متین الرحمان ڈیوٹی آف کر کے چلے گئے' ابھی چار بجنے میں کچھ وقت تھا۔کبیر احمد دستخط شدہ رپورٹس کو سرسری انداز میں دیکھ رہا تھا۔ان میں ابوریحان کی بیگم کی رپورٹ بھی شامل تھی۔جنہیں اس نے کل لنچ سے پہلے آنے کا کہا

تھا۔ وہ شخصیت کے لحاظ سے ایک دلچسپ آدمی تھے۔ کبیر احمد رپورٹ ہاتھ میں لیے چند لمحے سوچتا رہا پھر وہ اپنے سانسوں پر گراں بار ہوتی پان کی تیکھی خوشبو محسوس کرنے لگا۔ وہ چونک کر وال کلاک کی جانب دیکھنے لگا۔ چار بجنے میں محض پانچ منٹ باقی تھے۔ اس نے رپورٹس کو اپ ڈیٹ کرتے ہوئے فائل کیا۔ میز کے اضافی سامان کو سمیٹنے کے دوران اسے نجانے کیوں ابوریحان کا خیال خواہ مخواہ ستا رہا تھا۔ ان سے معمول کی بات چیت ہوئی تھی لیکن پھر بھی کبیر احمد چیونگم چباتے ہوئے ذہنی انتشار محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے دماغ کی سوئی ایک نقطے پر اٹک گئی ہو۔ کبیر احمد کھلی آنکھوں سے اپنے قرب و جوار کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کے دماغ کے پردہ اسکرین پر ایک منظر آشکار ہو رہا تھا۔ محکمہ ریلوے کے افسر ابوریحان اپنی آلٹو اسٹینڈرڈ کار میں گامزن دکھائی دے رہے تھے۔ جسے چشم تصور حیرت و تعجب سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ صاحب یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں؟ کبیر احمد نے سر جھٹکتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔ کہ یہ کیا پاگل پن ہے! دفعتاً اسے یہ خیال گزرا کہ ابوریحان لیبارٹری میں دوبارہ پہنچے ہیں اور کچھ دیر میں گلاس روم میں داخل ہوں گے۔ یہ خاصا احمقانہ احساس تھا، لیکن اگلے لمحے کبیر احمد اپنی جگہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے گلاس روم کا دروازہ کھلا اور ابوریحان پان چباتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے۔ پھر وہ باوقار قدموں سے چلتے ہوئے میز کے قریب آئے اور خوش گفتاری سے بولے۔ ”کبیر میاں ایک بھول ہو گئی تھی اس لیے دوبارہ آیا ہوں۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر کبیر احمد پھٹی پھٹی آنکھوں سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ابوریحان کے بھوت کو دیکھ رہا ہو۔ وہ خلاف توقع ابوریحان کو اپنے سامنے موجود پا کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ یہ بالکل مافوق الفطرت بات محسوس ہوتی تھی کہ اس کی سوچ کے دھارے کے ساتھ وہ کمرے میں وارد ہوئے تھے۔ ابوریحان کے توجیہہ جملے پر کبیر ہڑبڑا کر چونکتے ہوئے بولا۔ ”کیا بات ہو گئی ہے جناب؟ فرمائیے، میں حاضر ہوں۔“

”بات یہ ہے کہ کل میں رپورٹ لینے کے لیے لنچ ٹائم سے پہلے تو نہیں آ سکوں گا۔ دوم کل ہاف ڈے بھی ہے۔“ یہ کہہ کر ابوریحان نے ذرا توقف کیا پھر بولے۔ ”اس لیے میرا ٹھیک دو دن بعد لیبارٹری آنا ہو گا۔“

”ٹھیک ہے جناب جیسے آپ کی مرضی۔ میں نے محض آپ کی سہولت کے لیے لنچ ٹائم سے پہلے کا وقت بتایا تھا۔“ جواباً کبیر احمد نے چیونگم چباتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ ابوریحان صاحب کی بیگم کی رپورٹ تیار ہو چکی ہے اور کیبنٹ کی دراز میں موجود ہے تاہم یہ ایک غیر اصولی بات تھی کہ وہ وقت سے پہلے ابوریحان صاحب کو رپورٹ دیتا۔ دوسری جانب اس کا جواب سن کر عینک ٹھیک کرتے ہوئے ابوریحان نے تھینک یو کہتے ہوئے ہاتھ ملایا اور باہر کی جانب پلٹ گئے۔ ان کے عقب میں کبیر احمد چیونگم چباتے ہوئے حیرت و تعجب سے اس ناقابل فہم قضیے

میں مبتلا نظر آرہا تھا کہ ابوریحان اس کی چشمِ تصور کے عین مطابق اس کے سامنے کیونکر آموجود ہوئے تھے۔ وہ لیبارٹری کا ایک قابل اور تجربے کار ایگزامنر تھا، کسی مادے میں کیمیائی عناصر کے اتصال، ردعمل اور اثرات سے بخوبی آگاہی رکھتا تھا۔ اور اسے ادراک حاصل تھا کہ انسانی ظن و تخمین کو متاثر کرنے والی Attractin جسے وہ عناصر اور مرکبات کی کیمیائی زبان میں ''قوت جاذبہ'' کا نام دیتا تھا، آدمی کی حسیات میں کس کس نوع کے ذہنی و قلبی سوچ کے غیر منطقی اور پرفریب زاویے بناتی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ایسی قوت جاذبہ کے عناصر انسانی ذہن کے لیے بظاہر سکون آمیز اور لطف انگیز ہوتے ہیں تاہم نفسیات کے لحاظ سے اسے حقیقت سے دور کسی دلفریب اور ماورائی دنیا میں کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اسے اپنے گردوپیش کا ہوش باقی نہیں رہتا۔

اب کبیر احمد اول سے آخر تک ابوریحان کی پراسرار نشست و برخاست کا تجزیہ کرنے لگا۔ پہلی بار آمد کے موقع پر ان سے جو گفتگو ہوئی تھی اس میں ایسی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی محض اس کے علاوہ ان کے جانے کے بعد ان کے پان کی تیز خوشبو کچھ دیر تک ناگواریت کا احساس دلاتی رہی تھی۔ ایئر فریش سے اسپرے کرنے کے بعد کبیر احمد نے تسکین کے ایس ایم ایس کا جواب سینٹ کیا تھا۔ پھر اس نے رپورٹس تیار کی تھیں۔ ڈاکٹر متین الرحمان سے دستخط کروائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد وہ اپنی میز پر چند منٹ فائلنگ میں مشغول رہا تھا۔ ان تمام کاموں کے دوران اس کے دل و ذہن نے اس کی قوت تخیل سے گھڑ جوڑ کر کے ابوریحان کے خاکے کھینچنا شروع کر دیئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک کسی خیال سے کبیر احمد یوں ہڑبڑایا گویا اس خیال نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کوئی بات یاد دلائی ہو۔ اگلے لمحے اس نے منہ سے چیونگم کی بال نکال کر ہتھیلی پر رکھ لی اور حیرت و تعجب سے اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ ابوریحان کی آمد کے وقت اس کے منہ میں چیونگم تھی پھر تسکین کو میسج بھجوانے کے بعد ذہن کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے دوسرا چیونگم بھی منہ میں رکھا تھا۔ ہتھیلی پر موجود چیونگم کی بال دونوں کی مخلوط اکائی تھی۔ جسے وہ محض شغل کے طور پر چوستا رہا تھا۔ پہلے چیونگم میں ابوریحان کی بات چیت کی قوت جاذبہ شامل تھی، جس میں پان کی مہک موجود تھی۔ جبکہ دوسرے چیونگم میں اس کی اپنی قوتِ ذائقہ نے سوچ و فکر کو چشمِ تصور سے یوں مخلوط اور مشغول کیا تھا کہ وہ غیر موجودگی کے باوجود ابوریحان کو ذہن کے پردے پر آشکار کر رہا تھا۔ یہ چیونگم کے چوسنے کی خاصیت تھی کہ ابوریحان لیبارٹری سے دور کہیں موجود تھے لیکن کبیر احمد کا دماغ اپنی کرسی پر ان کی موجودگی سے باخبر تھا۔ چیونگم میں پان کی مہک اس کے لاشعور کو پر خفیف سگنل پہنچا رہی تھی اور سوچ کے زاویوں نے منظر کشی کر کے یہ بات اسے قبل از وقت بتا دی تھی کہ ابوریحان دوبارہ گلاس روم میں داخل ہونے والے ہیں۔ کبیر احمد نے چیونگم کی گیند کو پر معنی نظروں سے چند لمحے دیکھا۔ یہ گیند فروٹ ایپل موبائل سے کم نہیں تھی اور جذب

کرنے کی قوت کی وجہ سے جاسوسی کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے یکبارگی کبیر احمد کے ذہن میں کسی خیال سے کوندا سا لپک گیا اور جوش و جذبات سے چہرہ تمتما اٹھا۔ آج تسکین

کاایس ایم ایس پڑھتے ہوئے اسے پہلی بار بیوی کی مخبری کی ضرورت کا احساس ہوا تھا۔اس کی غیر موجودگی میں وہ سارا سارا دن کون سی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھی اور گھر میں اس سے ملنے جلنے کون آتا جاتا تھا۔اس قسم کے الجھن آمیز سوالات کے جواب کے لیے یہ چیونگم کی گیند عمدگی سے اپنا کام انجام دے سکتی تھی اور تسکین کی اخلاقی روش کے حوالے سے اس کی مشکلات کو ختم کر سکتی تھی۔اس خوش گوار خیال سے کہ اب وہ ناخلف اور خود پسند بیوی کا دماغ درست کرنے کا طریقہ سوچ چکا تھا۔وفورِ مسرت سے اس کے رگ وپے میں سنسنی دوڑ گئی اور اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے چیونگم کی گیند کو بے اختیار چوم لیا۔

...☆☆☆...

اگلے دن ہاف ڈے تھا۔کبیر احمد نے معمول کے کاموں کو جلد از جلد نمٹایا اور کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے طے شدہ پروگرام کے تحت مارکیٹ سے بچوں کے لیے کچھ خریداری کی اور گھر کی جانب موٹر سائیکل بڑھادی۔تقریباً دس پندرہ منٹ بعد وہ گاڑی پر سبک خرامی سے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا وہ گلی میں داخل ہوا تھا اور چند گز کے فاصلے پر تھا کہ دفعتاً وہ چونک پڑا۔اس نے بریک لگایا اور موٹر سائیکل جھٹکا کھاتی اپنی جگہ رک گئی۔اس کی نگاہوں کے مقابل اس کے مکان کا بیرونی دروازہ کھلا تھا اور کوئی خاتون سینے پر دوپٹہ درست کرتی' ایک نو دس سالہ بچے کو ساتھ لیے باہر آرہی تھی۔پھر

وہ جوان عورت چلتی ہوئی کچھ آگے آئی تو کبیر احمد نے اسے پہچان کر فوراً اپنا رخ دوسری جانب پھیر لیا۔عورت بچے کے ہمراہ چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزری اور چند لمحوں بعد گلی سے نکل گئی۔ادھر کبیر احمد حیرت وتذبذب سے سوچوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔وہ عورت اس کے چھوٹے بہنوئی وسیم کی تایازاد بہن تہمینہ تھی۔تہمینہ اپنے بھائی بہن کے لحاظ سے سب سے بڑی تھی۔کبیر احمد کو یہ بات یاد آگئی تھی کہ اس کے والد ظہیر احمد کی زندگی میں تہمینہ کا رشتہ چچا ذکاءاللہ کے سب سے بڑے بیٹے ظفراللہ کے لیے ان کے والد اورنگ زیب خان نے بھجوایا تھا۔چچا نے اس کے والد سے تہمینہ کے رشتے پر باہمی مشاورت کی تھی۔اس وقت اورنگ زیب خان کے غیر موزوں خاندانی حالات کے پیش نظر چچا ذکاءاللہ نے اس رشتے کے لیے منع کروادیا تھا۔ان کے انکار کا اورنگ زیب نے بہت برا منایا تھا اور کبیر احمد کے خاندان سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر لیے تھے۔بعد میں نویدہ چچی کی زبانی اسے معلوم ہوا تھا کہ اورنگ زیب نے اپنی بڑی بیٹی تہمینہ کا رشتہ اپنے سسرالی رشتہ داروں میں طے کر دیا ہے۔تہمینہ کا شوہر سفیان علی پیشے کے لحاظ سے بس ڈرائیور تھا۔شادی کے بعد سفیان علی سے تہمینہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے تھے۔بعد ازاں حالت مدہوشی میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے سفیان علی کی بس کا ٹرالر سے تصادم ہوا تھا اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔یوں تہمینہ جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی۔اس کے والد اورنگ زیب کا مکان وسیم اور زینت کے گھر کے قرب وجوار میں ہی تھا۔تہمینہ باپ کے اصرار کے باوجود ٹنڈو آدم جانے کے بجائے اپنے مرحوم شوہر کے مکان

میں رہی اور دوسری شادی کرنے کے بجائے خود اپنی مدد آپ کی تحت تینوں بچوں کی کفالت کرنے لگی۔اس بات کو تقریباً دو برس گزر گئے تھے۔اس لیے کبیر احمد اتنے عرصے بعد تہمینہ کو دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔دوم وہ سوچ رہا تھا کہ یہ قرین قیاس بات تھی کہ دیرینہ خاندانی مخالفت کی وجہ سے تسکین کو کبیر احمد کے خلاف اکسانے والی تہمینہ ہی ہو اور وہ تسکین کا گھر برباد کرنے کی کوشش کر رہی ہو محض اس وجہ سے کہ چچا ذکاء اللہ نے اس کے والد ظہیر احمد سے باہمی مشورے کے بعد بیٹے کے لیے اس کا رشتہ قبول کرنے کی بجائے واپس بھجوایا تھا۔چند منٹوں کے تجزیے نے تہمینہ کی آمد کو کبیر احمد کی نظروں میں مشکوک بنا دیا تھا۔اگلے لمحے اس نے نہایت سرعت اور تیزی سے موٹر سائیکل کو ٹرن دیا اور تہمینہ کا پیچھا کرنے کے ارادے سے برق رفتاری سے گلی سے باہر نکل آیا۔ پھر مین روڈ پر اس کی کھوجتی نگاہوں نے کچھ فاصلے پر ایک رکشے کے قریب کھڑی تہمینہ کو جالیا۔اس نے دیکھا کہ تہمینہ اپنے بیٹے کے ہمراہ رکشے میں بیٹھی تھی۔قدرے فاصلے سے تہمینہ کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔اندازاً پندرہ بیس منٹ تک کبیر احمد رکشے کے پیچھے پیچھے موٹر سائیکل سبک روی سے چلاتا رہا۔آخر میں رکشہ ایک ذیلی سڑک میں داخل ہوا اور ایک رہائشی پلازہ کے قریب رک گیا۔کبیر احمد نے پلازہ کے کچھ فاصلے پر موٹر سائیکل روک لی اور اسے یوں سرسری نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ تہمینہ کے بجائے اس رہائشی کالونی کا جائزہ لے رہا ہو۔تہمینہ اس کی موجودگی سے بے پروا تھی۔اس نے کرایہ دینے کے بعد دوپٹے کو درست کیا اور کم سن لڑکے سے کچھ کہتی ہوئی پلازہ کے

صدر دروازے میں داخل ہوئی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ادھر کبیر احمد نے موٹر سائیکل کو آگے بڑھایا اور پلازہ کے قریب پہنچ گیا۔اب وہ الجھن سے یہ سوچ رہا تھا کہ تہمینہ کا فلیٹ دیکھنے کی غرض سے اوپر جائے اور اس سے کیونکر ملاقات کرے؟یوں اچانک کبیر احمد کو دیکھ کر وہ عین ممکن ہے کہ اس سے بات چیت پر آمادہ نہ ہو۔وہ چند منٹ تک سوچتا رہا' دفعتاً اس کی نگاہ سڑک پر پڑی۔ اگلے لمحے اس نے قدرے جھک کر اس جھلملاتی شے کو اٹھا لیا۔وہ ایک وزیٹنگ کارڈ تھا۔کبیر احمد نے اس کارڈ پر تحریر نام پڑھا' زیب لب ''تہمینہ بیوٹی ایکسپرٹ'' دہراتے ہوئے اس کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔وہ کارڈ تہمینہ کے بیوٹی پارلر کا تھا جو رکشے والے کو کرایہ دیتے وقت جلد بازی میں اس کے بٹوے سے گر گیا تھا۔کبیر احمد نے کارڈ پر درج شاپ اور فلیٹ نمبر کو دیکھا اور اسے جیب میں رکھ لیا پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے موٹر سائیکل کو موڑا اور ذیلی سڑک سے واپس گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

...☆☆☆...

کبیر احمد سٹنگ روم میں دونوں بچوں کو لیے بیٹھا تھا۔چھٹی کے دن اس کا یہ معمول تھا کہ وہ سارا دن گھر میں بچوں کے ساتھ گزارتا تھا۔ایک بج چکا تھا' تسکین نے فرحان اور شیر خوار مہرین

کواس کے پاس چھوڑا تھااور دوپہر کے کھانے کی تیاری کے ارادے سے کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔
اس کے بار بار اصرار کے باوجود کبیر احمد نے ملازمہ کا قضیہ حل نہیں کیا تھا۔ کھانے پکانے اور بچوں کے کام کو کرتے ہوئے اس پر جھلاہٹ سوار ہو جاتی تھی اور وہ خود سری اور نخروں سے چیزوں کو پٹخ پٹخ کر غصے کا اظہار کرنے لگتی تھی۔ اس کی منہ زور بے بسی دیکھ کر کبیر احمد خفیف انداز میں دل جلے جذبوں سے زیر لب مسکرا دیتا۔ حالانکہ وہ طبعاً گھر گھرہستی میں ساتھ نبھانے والا ایک معاون و مددگار شوہر تھا۔ لیکن تسکن نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ بہر غرض اس کے کچن جانے کے بعد کبیر احمد نہایت خوش دلی سے دونوں بچوں کو بہلا رہا تھا اور دل جوئی کرتے ہوئے خود بھی پسرانہ جذبوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ مہرین اس کی گود میں قلقاریاں مار رہی تھی اور فرحان چابی کے گھوڑے کے ہنہنانے سے چہکتے ہوئے بار بار اسے متوجہ کر رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد کبیر احمد نے مہرین کو صوفے پر لٹا دیا۔ فرحان بھی کھلونے کے ساتھ مشغول ہوتا کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اسے کچھ فراغت میسر آئی تو اس نے والٹ سے تہمینہ کا وزٹینگ کارڈ نکالا اور اس پر درج موبائل فون نمبر کو دیکھتے ہوئے اپنے طے شدہ منصوبے کے بارے میں غور و خوض کرنے لگا۔
قریب کچن سے تسکین برتنوں سے کھٹ پٹ کرتی اس کی سماعتوں کو برانگیختہ کر رہی تھی اور اس کے دل کو جلا رہی تھی۔ کبیر احمد نے تہمینہ کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب چند لمحے کالنگ ٹون بجتی رہی پھر اسے تہمینہ کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو، ہیلو... کون بول رہا ہے؟''

''میں ظفر بات کر رہا ہوں'' جواباً کبیر احمد نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے تسکین کے بھائی کے طور پر اپنا تعارف کروایا۔ لمحاتی توقف کرتے ہوئے تہمینہ کی چونکتی آواز دوسری جانب سے گونجی۔

''ظف... ظفر کون؟ میں آپ کو نہیں جانتی۔''

''آپ ذکاءاللہ کے بیٹے کو بھول رہی ہیں تہمینہ جی! '' کبیر احمد نے معنی خیز لہجے میں کہا۔...

''اوہ... یعنی آپ تسکین کے بھائی ظفر بول رہے ہیں۔'' تہمینہ کی حیرت دوچند تھی پھر وہ ماضی کی تعلق داری کو یاد کر کے قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

''مجھے حیرانی ہو رہی ہے ظفر بھائی! خیریت تو ہے آپ نے کیسے فون کیا؟''

''تہمینہ جی! آپ مجھے ظفر اللہ کہہ کر مخاطب کر سکتی ہیں۔'' کبیر احمد نے زچ ہو کر اسے ٹوکا اور دل آویز لہجے میں بولا۔

''آپ نے کیا تسکین پر سحر کر دیا ہے کہ وہ آپ کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے نہیں تھکتی ہے۔ یقین نہیں کریں گی لیکن یہ دل کی بات ہے کہ اس کی باتیں سن کر آپ سے ملاقات کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔'' کبیر احمد کی اداکاری لاجواب تھی۔

"اس تعریف کا شکریہ جی۔ تسکین خود بھی تو اچھے اخلاق والی ہیں۔ بہت سلجھی ہوئی اور رکھ رکھائو کا لحاظ رکھتی ہیں۔" تہمینہ کی آواز میں حیا آمیز خوشگواری کا تاثر تھا۔ کبیر احمد دل ہی دل میں اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پھر وہ منکسر المزاجی سے درخواست کرتے ہوئے بولا۔

"تہمینہ جی' میں اس لیے آپ سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ اور آپ کے دولت کدے پر حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ پلیز انکار مت کیجیے گا۔" کبیر احمد کی لگاوٹ بھری انکساری سے متاثر ہو کر تہمینہ خوشگواری سے مسکراتے لہجے میں بولی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ پانچ بجے کے بعد میرے گھر آ جائیں۔ پتا میں بتائے دیتی ہوں۔" اتنا کہہ کر تہمینہ نے چند لمحے توقف کیا اور پھر گھر کے ایڈریس سے کبیر احمد کو آگاہ کیا۔ آخر میں رابطہ منقطع کرتے وقت کبیر احمد نے لجاجت آمیز عاجزی سے اللہ حافظ کہا تھا۔ دوسری جانب تہمینہ کے تنفر بھرے چہرے پر کسی ناآسودہ جذبے کے احساس سے تمازت ہویدا تھی۔ موبائل فون آف کر کے کبیر احمد نے جہاندیدہ نظروں سے کچن کی جانب دیکھا جہاں تسکین دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ کچن کے برتنوں کو بھی کھٹ پٹ کرتے قدرے قرار آ گیا تھا۔ اس نے چند لمحے سوچا' یہ ممکن تھا کہ تہمینہ کچھ دیر بعد تسکین کے موبائل فون پر کال کرے اور اسے ظفر کی خواہش سے مطلع کرے۔ اس بات سے تسکین کے ساتھ تہمینہ کی انوال منٹ کا اسے

ثبوت مل جاتا۔ اس خیال سے کبیر احمد کچھ دیر انتظار کرتے ہوئے بچوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اندازاً دس منٹ بعد اسے کچن سے تسکین کی مدھم آواز سنائی دینے لگی۔ کبیر احمد کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔ اس نے کچن کے قریب جا کر سنا تھا' اس کی ناخلف بیوی تہمینہ کو مخاطب کرتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں باتیں کر رہی تھی اور ظفر کی خواہش پر حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر کبیر احمد چند منٹ تک سٹنگ روم میں پر سوچ قدموں سے ٹہلتا رہا' تسکین کے ساتھ تہمینہ کے گٹھ جوڑ نے اس کے شب و روز کا سکون غارت کر دیا تھا۔ نفرت و رقابت سے اس کے دل و ذہن میں تلاطم برپا تھا۔ تسکین کچن سے نکل کر بچوں کے پاس آئی تو وہ اسے کچھ کہنے کے بجائے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

...☆☆☆...

پانچ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ جب کبیر احمد نے پلازہ کے مرکزی دروازے کے قریب موٹر سائیکل کو اسٹینڈ کیا۔ وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے وہ چند

لمحے اوپر جاتی سیڑھی کو سوچتی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے جیب سے چیونگم نکال کر منہ میں رکھ لی اور اسے چباتے ہوئے زینے کے قدمچے پھلانگتے ہوئے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ چند منٹوں بعد وہ تہمینہ کے فلیٹ کے سامنے کھڑا تھا پھر اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ کچھ دیر میں دروازہ کھلا تو تہمینہ

اس کے روبرو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں الجھن اور تذبذب تھا پھر وہ اپنی جگہ حیرت کے مارے بھونچکی رہ گئی اور کسی اندیشے سے چونکتے ہوئے بولی۔

''تت...تم کبیر احمد ہو۔' میرے فلیٹ کا پتا تمہیں کس نے دیا؟''

''ظفر اللہ نے... '' کبیر احمد نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ چیونگم چباتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولا۔

''ظفر نے آپ کے لیے ایک پیغام بھجوایا ہے تہمینہ جی!'' اس کا جواب سن کر جھینپتی ہوئی تہمینہ قدرے جھجک کر بولی۔

''آپ اندر آجایئے''اتنا کہہ کر وہ دروازے سے قدرے ہٹ گئی۔ کبیر احمد فلیٹ میں داخل ہوا۔ پھر وہ تہمینہ کے ساتھ چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ فلیٹ کے کمروں کے آگے بنی راہداری میں اس نے تہمینہ کے دونوں بیٹوں کو کھیل کود میں مشغول دیکھا تھا۔ پانچ چھ برس کی بیٹی جسے وہ صبوحی کہہ کر پکار رہی تھی اس کے ہمراہ تھی۔ کبیر احمد سنگل صوفے پر براجمان ہو گیا۔ادھر تہمینہ نے کچھ سوچتے ہوئے بچی کو باہر بھیج دیا اور سپاٹ لہجے میں کبیر احمد سے مستفسر ہوئی۔

''جی فرمایئے ظفر اللہ خود کیوں نہیں آئے؟'' اس کا سوال سن کر کبیر احمد نے کالا چشمہ اتارا اور تہمینہ کے بے تاثر چہرے کو گھورتے ہوئے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ظفر بھائی اس لیے نہیں آئے کہ آپ جیسی کمینی عورت سے وہ ملنا ہی نہیں چاہتے۔انہوں نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں آپ کو سمجھاؤں اور مزید فتنہ گری سے خبردار کروں۔''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' اپنے لیے کمینی کے لفظ کو سن کر تہمینہ کے تیور بگڑ گئے۔

''ہوش میں رہ کر بات کریں۔ میں نے آپ کو اس لیے ڈرائنگ روم میں نہیں بٹھایا کہ آپ مجھے گالی دیں۔'' تہمینہ غصے سے بپھرتی تند و تیز لہجے میں بولی۔ کبیر احمد دل جلے انداز میں چیونگم چباتے ہوئے مسکرایا اور زہر خند لہجے میں ناگواری سے بولا۔

''ہوش کے ناخن آپ کو لینا چاہیے محترمہ' آپ چار پانچ مہینوں سے تسکین کو میرے خلاف بھڑکاتی رہی ہیں اور میرے ہنستے بستے گھر کو جہنم بنا رکھا ہے۔ جسے میں نے کیونکر برداشت کیا ہے یہ میں جانتا ہوں۔ ذلیل عورت' میرے دن رات کا سکون غارت ہو گیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے کبیر احمد نے شدت جذبات سے سینٹر ٹیبل پر گھونسے برساتے ہوئے تہمینہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ دوسری جانب تہمینہ اپنے کرتوتوں کو قبول کرنے کے بجائے غصے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنی سازشی سرگرمیوں پر شرمندہ ہوئے بغیر ڈھیٹ بن کر چلاتے ہوئے بولی۔

''مجھے الزام دینے کے بجائے اپنی بیوی سے بازپرس کرو سمجھے! میں کیوں اسے بھڑکاؤں گی؟ کیا میرے علاوہ تمہارے گھر میں اڑوس پڑوس کی عورتیں آتی جاتی نہیں ہیں؟ اور کیا تسکین کوئی چھوٹی

بچی ہے کہ اسے اچھے برے کی تمیز نہیں ہے وہ شوہر اور جلاد کے فرق کو خوب سمجھتی ہے۔ مجھ پر دہاڑنے کے بجائے اس کی بدگمانی ختم کرو۔ آنٹی نویدہ بھی یہ کہتی ہیں کہ وہ تم سے خوش نہیں ہے۔" تہمینہ منہ بگاڑ کر بول رہی تھی اور چوری اوپر سے سینہ زوری کے مصداق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے چپ ہونے کا نام نہیں لے ری تھی۔

"اپنی بکواس بند کرو خبیث عورت میرے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی تم کون ہوتی ہو؟" کبیر احمد کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا پھر وہ چبھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں ظفر سے نسبت ٹوٹ جانے کا قلق ہے تو جا کر سیدھے منہ کالک تھوپو۔ میرے گھر کے سکون کو برباد مت کرو۔ سنا تم نے' میں اب یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا کہ تم اپنے منحوس قدموں سے میرے گھر میں داخل ہو۔ سمجھیں!"

"مجھے دھمکانے سے پہلے تم بھی اچھی طرح سن لو کبیر احمد!" تہمینہ نے بے عزتی کے احساس سے گرجتے ہوئے کہا۔

"میری بے عزتی کر کے تم بھی چین کی بانسری نہیں بجا سکتے۔ تمہارا بہنوئی وسیم ٹنڈو آدم سے یہاں مجھے ملنے آتا جاتا ہے۔ میں جب چاہوں پورے خاندان میں تمہیں بدنام کر سکتی ہوں۔" تہمینہ کے اس انکشاف پر کبیر احمد اپنی جگہ چونک کر رہ گیا۔ یہ دروغ گوئی تھی یا سچ تھا کہ وسیم اپنی تایازاد بہن

کے کرتوتوں سے باخبر تھا لیکن زینت نے اس بارے یں کبیر احمد کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ وسیم نے تہمینہ کی سرگرمیوں کو اس سے بے خبر رکھا ہو۔ یہ نہایت تکلیف دہ بات تھی۔ تاہم اس وقت کبیر احمد کو اپنی ناعاقبت اندیش بیوی کی اختلافی روش کو سدھارنا اور اس کی سرکشی کو لگام دینا مقصود تھا۔ وہ دوٹوک لہجے میں تہمینہ کو خبردار کرتے ہوئے بولا۔

"تم چاہے کچھ کر لو تہمینہ' لیکن یہ کان کھول کر سن لو کہ تمہاری کسی سازش سے میرے گھر کی خوشیاں برباد ہوئیں تو میں تمہیں اس شہر میں چین و آرام سے ہرگز رہنے نہیں دوں گا۔" یہ کہہ کر کبیر احمد نے کالی عینک آنکھوں پر لگائی اور راہداری سے شور سن کر ڈرائنگ روم میں آنے والے تہمینہ کے بچوں کو لمحاتی توقف سے دیکھا اور اگلے لمحے وہ چیونگم چباتے ہوئے تیز تیز قدموں سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

کبیر احمد پلازہ کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور تہمینہ کی لن ترانیوں کے بارے میں سوچتا موٹر سائیکل کے قریب آیا۔ تہمینہ نے وسیم کے ساتھ اپنے میل جول کا انکشاف کر کے اس کے ذہن کو دھچکہ پہنچایا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اس کا سگا بہنوئی اس کے گھر کو دوزخ بنانے کی سازش میں شامل تھا۔ زینت یقیناً اس بات سے بے خبر تھی کبیر احمد نے سوچتے ہوئے تہمینہ کے تندوتیز لفظوں پر غور کیا' اس لمحے اسے سانس سے الجھتی خوشبو کا ادراک ہوا' یہ

الائچی کی مہک تھی۔ کبیر احمد نے ایک دوسرا چیونگم نکالا اور چند منٹ تک چیونگم چباتے ہوئے ٹہلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس نے آنکھیں بند کر کے سوچا، اگلے لمحے اس کے ذہن میں جھماکے سے اس سوئٹ ڈش کا نام جھلملانے لگا۔ وہ جس وقت تہمینہ سے ملنے آرہا تھا وہ ظفر کی خاطر مدارات کی غرض سے کچن میں سوئٹ ڈش کے طور پر کھیر تیار کر رہی تھی۔ اور غالباً چکھنے کے ارادے سے اس نے ایک آدھ پلیٹ کھائی تھی۔ اس کی قوت جاذبہ نے الائچی کی مہک سے تہمینہ کی یہ ساری باتیں جان لی تھیں۔ اس نے ذہن کے پردے پر تہمینہ کے خیال کو کھوجنا شروع کیا۔ چند لمحوں کے توقف سے اس کی چشم تصور نے تہمینہ کے فلیٹ کا اندرونی منظر آشکار کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ تہمینہ راہداری میں کھڑی موبائل فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر غصے اور جھلاہٹ کے تاثرات تھے جیسے وہ کبیر احمد کے ہاتھوں ذلیل ہونے پر پیچ وتاب کھا رہی ہو۔ پھر کبیر احمد نے دل جلے انداز میں مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کے فلیٹ سے نکلنے کے بعد تہمینہ نے اس کی بیوی کو فون کیا تھا اور اس کی آمد کے بارے میں تسکین کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ کبیر احمد نے تہمینہ کے اس کمینے پن کا بھی بندوبست بھی سوچ رکھا تھا۔ موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہوئے اس نے موبائل فون پر ایک نمبر ملایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولا۔

"ہیلو... میں کبیر احمد بات کر رہا ہوں۔" جواباً اسے دوسری جانب سے حسب توقع متانت آمیز اور باوقار آواز سنائی دی۔

"ہاں کبیر احمد... خیریت تو ہے نا، کیسے فون کیا بھئی؟" اس کے سسر اور تسکین کے والد ذکاءاللہ کی آواز میں حیرت واستعجاب تھا۔

"سب خیریت ہے چچا، بس آپ سے ایک ضروری کام تھا۔" کبیر احمد نے گزارشانہ لب ولہجے میں جواب دیا پھر وہ سسر سے چھ سات منٹ تک بات چیت کرتا رہا۔ بعد میں اس نے موبائل فون آف کر کے جیب میں رکھا چیونگم چباتے ہوئے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور گنگناتے ہوئے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

کبیر احمد سوا چھ بجے گھر میں داخل ہوا۔ اس کی توقع کے مطابق تسکین نے گھر میں انتشار اور بچوں پر شور مچا رکھا تھا۔ لائونج میں روتا ہوا فرحان چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا اس کی جانب بڑھا۔ کبیر احمد نے چیونگم چباتے ہوئے پیار وشفقت سے اسے چمکارا۔ وہ توتلی زبان میں بولا۔

"امی بوت گندی ہے، انہوں نے مودے مارا ابو۔" (امی بہت گندی ہیں، انہوں نے مجھے مارا ابو!)

کبیر احمد نے معصوم بیٹے کی بات سن کر اس کے بالوں کو سہلایا اور کہا۔ "یار تمہاری امی تو پاگل ہو جاتی ہیں لیکن تم تو اچھے بچے ہو ناں!" پھر وہ لمحاتی وقفے سے فرحان کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"اچھا یہ لو بیٹا، یہ چیونگم کھاؤ۔" کبیر احمد نے جیب سے ایک چیونگم نکال کر فرحان کو دی۔ اسی لمحے تسکین بیڈروم سے نکل کر لائونج میں آئی۔ اس نے مہرین کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے

چلتی کبیر احمد کے قریب آئی اور ننھی مہرین کو اسے تھماتے ہوئے بولی۔ "آپ شیطان بچوں کو خود سنبھالو... اور ہاں سن لو' اب مجھ سے اکیلے تمہارے بچے اور گھر کے کام نہیں ہوتے' تم ملازمہ نہیں رکھو گے تو میں اپنے میکے چلی جاؤں گی۔ پھر تم جانو اور تمہارا یہ گھر سمجھے۔" تسکین نے غصے سے منہ بگاڑ کر دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کبیر احمد سے کہا تھا جبکہ کبیر احمد ننھی مہرین کو ہاتھوں میں لیے زخمی نظروں سے ناخلف بیوی کی فنکارانہ اداؤں کو دیکھ رہا تھا اور تہمینہ کے فون کے اثرات کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"تمہارا جواب نہیں ہے تسکین! حیلے بہانوں سے مجھے پریشان کرنا تمہارا پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے۔ آخر تم چاہتی کیا ہو یار؟" کبیر احمد نے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے بیوی سے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔ تہمینہ کے معاملے کو اس نے ابھی طشت از بام نہیں کیا تھا۔ شوہر کو زچ ہوتا دیکھ کر تسکین کی گردن اکڑ گئی تھی۔ وہ نخرے سے منہ چڑھا کر بولی۔ "میں نے کہا ہے نا کہ تم اپنے بچوں کے لیے ملازمہ رکھ لو بس۔" یہ کہتے ہوئے وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ پھر چند لمحے توقف سے سر پکڑ کر بولی۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں چائے بنانے کچن جا رہی ہوں۔" پھر وہ بے زاری سے منہ بگاڑتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی اور کبیر احمد دل جلے جذبوں سے تسکین کے ناز نخروں کو پرکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی بیوی اس پر حاوی ہونے کی خواہش میں تہمینہ کے سکھائے طریقوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر عمل کر رہی تھی۔ اس جنون میں گھر برباد ہونے کا اسے مطلق ہوش نہیں تھا۔ کبیر احمد چیونگم چباتے ہوئے ننھی مہرین کو لیے صوفے پر بیٹھ گیا وہ آج تسکین کو ہوش دلانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اندازاً چھ سات منٹ تک کبیر احمد اپنے گھر میں تہمینہ کی دخل درنامعقولات آمد و رفت کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس دوران چیونگم سے اٹھتی الائچی کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر تہمینہ کے جملوں کی بازگشت کا احساس دلاتی رہی۔ دفعتاً تسکین چائے کا مگ لیے کچن سے باہر آئی اور پھر سامنے بیٹھے کبیر احمد کو بے پروائی سے نظرانداز کرتی اور بچوں کی جانب دیکھے بغیر بیڈروم میں گھس گئی۔ کبیر احمد متاسف نظروں سے اس کے خودسرانہ ناز و انداز کو دیکھ رہا تھا۔ ننھی مہرین روتے روتے کبیر احمد کے بہلانے پر چپ ہو گئی تھی۔ فرحان بھی کھلونوں میں مشغول ہو گیا تھا۔ اپنے مظلوم بچوں کو دیکھتے کبیر احمد کو ابھی چند منٹ گزرے تھے کہ اس کی ناک سے الائچی کی مہک الجھنے لگی۔ اس نے چونک کر سوچا' چیونگم کی بال مائیکروفون کی مانند اس کی سماعتوں میں

سرگوشی کر رہی تھی۔ ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا تھا اور اسے اس بات سے آگاہ کر رہا تھا کہ تسکین بیڈروم میں تہمینہ سے موبائل فون پر باتیں کر رہی ہے اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے تہمینہ کو شوہر کے ساتھ ہونے والے اپنے ہنگامے کی ساری روداد سنا رہی ہے۔ کبیر احمد چیونگم کے ذریعے انسانی قوت جاذبہ کی حیرت انگیز کارکردگی کا تجربہ اور مشاہدہ کر چکا تھا۔

چیونگم کی بال اسے غلط اطلاع نہیں دے سکتی تھی۔ یہ سوچتا ہوا وہ صوفے سے اٹھا اور دبے پائوں چلتا ہوا بیڈروم کے دروازے کے نزدیک آیا۔ چیونگم کا سگنل سو فیصد سچا تھا۔ کھلے دروازے سے تسکین کی پر تفخر اور چہکتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ فون پر دوسری جانب موجود تہمینہ سے کہہ رہی تھی۔

”یار بچوں کو مار پیٹ نہیں کرتی تو کبیر مجھ پر چڑھ دوڑتا، اس کے آتے ہی میں نے وہ شور مچایا کہ موصوف کی سٹی گم ہوگئی۔“ یہ کہتے ہوئے اس کے لب و لہجے میں زہر خندی عود کر آئی۔ پھر وہ نخوت سے منہ پھلا کر بولی۔

”میری جاسوسی کے شوق میں وہ تمہارے فلیٹ تک پہنچ گیا اور مجھ سے چھپائے رکھا، ایسا شکی مزاج شخص میں نے کہیں نہیں دیکھا۔“ یہ کہتے ہوئے تسکین نے چند لمحے توقف کیا اور دوسری جانب سے تہمینہ کے کبیر احمد کے بارے میں جھوٹے سچے الزامات سننے لگی۔

”اکیلی عورت کو محض شک کی بنیاد پر ذلیل کرنا اور گالی دینا کتنے ظلم کی بات ہے۔“ پھر وہ لحاتی وقفے سے ترش روی سے بولی۔

”کبیر نے میرے بارے میں تم سے جو پوچھ پاچھ کی ہے، اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے گا۔ تم بے فکر رہو تہمینہ، میں ایک دو دن میں امی سے کبیر کی اس بیہودہ حرکت کی شکایت کروں گی۔ اس کا دماغ

درست نہ کرایا تو تم میرا نام بدل دینا۔“ اتنا کہہ کر تسکین نے ذرا ٹھہر کر اپنی ناراض سہیلی کی بات سنی اور تند و تیز لہجے میں جتاتے ہوئے کہا۔

”میں کہہ رہی ہوں نا کہ تمہارا نام نہیں لوں گی۔ تم بالکل بے فکر ہو جائو۔ اب یہ میرا کام ہے کہ تمہاری بے عزتی کا بدلہ میں کس طرح لیتی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے تسکین نے خالی مگ ٹیبل پر رکھا تھا۔ دروازے کے قریب موجود کبیر احمد اپنی بیوی کے رذیل اور باغیانہ خیالات سن کر غصے اور نفرت سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ تہمینہ کی گھر میں آمد جامد سے تسکین جن گمراہ سوچوں میں رہنے لگی تھی، آج اسے پورے طور پر اندازہ ہوا تھا۔ تہمینہ کے مسلسل ورغلانے پر گزشتہ پانچ چھ ماہ سے اس عقل کی دشمن عورت نے اس کی پر امن اور سکون پسند طبیعت کو یوں ذہنی وجذباتی لحاظ سے منتشر اور مضطرب کیا تھا کہ وہ گھر اور لیبارٹری کے کاموں میں خود کو بے سکون اور جذباتی طور پر برانگیختہ محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ تہمینہ کی وجہ سے تسکین نے اسے ساس وسسر اور دونوں بہنوں اور بہنوئیوں کی نظروں میں بھی ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب جبکہ تہمینہ کی فتنہ گری کھل کر سامنے آگئی تھی اس لیے اب کبیر احمد کے لیے بیوی کی ریشہ دوانیوں پر چپ سادھ لینا بہت مشکل تھا۔ شدتِ جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اگلے لمحے وہ بجلی کی سرعت سے کمرے میں گھس گیا اور خدا حافظ کہتی تسکین سے موبائل فون چھین لیا۔ دوسری جانب ابھی تہمینہ نے موبائل فون آف نہیں کیا تھا، کبیر احمد غصے سے دہاڑتے ہوئے مائوتھ پیس میں چیخا۔

''حرام زادی' میں نے منع کیا تھا تجھے کہ میرے گھر میں آگ نہیں لگائے گی۔ میری بیوی کو میرے خلاف نہیں بھڑکائے گی۔ لیکن تو نہیں مانی۔'' وہ ذرا ٹھہر کر دوبارہ گرجا۔ خبیث عورت' اچھی طرح سن لے' میں ظفر کے باپ کو تیرے گھر بھیج رہا ہوں' وہی تیرا منہ کالا کر کے تجھے اس شہر سے دربدر کریں گے۔ سن لیا تو نے گندی عورت۔'' اس کی غم وغصے سے بھری آواز کے جواب میں دوسری جانب خاموشی طاری تھی۔ کبیر احمد کے اس اچانک چھاپے پر شاید تہمینہ حیرت وخوف سے سناٹے میں کھڑی رہ گئی تھی اور جواباً کچھ نہیں کہا تھا' پھر کبیر احمد نے موبائل فون کا بٹن آف کر دیا۔ اسی لمحے قریب موجود تسکین جو کبیر احمد کی افتاد ٹوٹ پڑنے سے برافروختہ ہو گئی تھی' اور اسے تیز نظروں سے گھور رہی تھی' پھرتی سے لپکی اور کبیر احمد سے موبائل فون لینے کی کوشش میں چھینا جھپٹی کرنے لگی' لیکن کبیر احمد آج ناخلف بیوی کی آنکھیں کھول دینا چاہتا تھا۔ اس نے تسکین کو جھڑکتے ہوئے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا اور اسے برہمی سے دوٹوک لہجے میں بولا۔

''تمہاری خود پسندی اور حماقتوں نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے تسکین لیکن اب میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا سمجھی۔'' یہ کہہ کر کبیر احمد ذرا ٹھہرا پھر روتی اور دھڑ دھڑ آنسو بہاتی تسکین کو مطلع کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں اپنے میکے جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چچا اور چچی کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ میں نے ذلیل تہمینہ کی حرکتوں کے بارے میں انہیں آگاہ کر دیا ہے۔'' یہ کہتا ہوا کبیر احمد لائونج میں موجود بچوں کی جانب بڑھ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد چچا ذکاء اللہ

اور چچی نویدہ گھر میں داخل ہو رہے تھے تو کبیر احمد فتح مندی کے احساس سے صوفے پر بیٹھا اس وزیٹنگ کارڈ کو دیکھ رہا تھا جس پر ''تہمینہ بیوٹی ایکسپرٹ'' کے جلی حرفوں کے نیچے اس کے بیوٹی پارلر اور فلیٹ کا پتا درج تھا۔

ختم شد